بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

امکانات کی دنیا

نگران اعلیٰ

آج دنیا کے حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط اعصاب والا آدمی بھی تھوڑی دیر کے لیے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، آج سے چند دہائی قبل ناممکن سمجھی جانے والی چیز اب ممکن ہی نہیں واقعات کے دائرے میں آرہی ہے، زمین اپنے خزانوں کو اس طرح اگل رہی ہے کہ صحیح طور پر ان کو سمیٹنے والا کوئی نہیں ہے، مشرق ومغرب نے اپنی طنابیں کھینچ کر ساری روئے زمین کو ایک وحدت میں تبدیل کردیا ہے، امکانات کی دنیا اتنی قوی اور وسیع ہوگئی ہے کہ آج سے قبل اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، ان حالات پر دو طرح سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) ان حیرت انگیز انقلابات کو آج ترقیات کا نام دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آج دنیا پہلے سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوگئی ہے، اور ترقی کے معیار کے لحاظ سے ساری دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے: (۱) ترقی یافتہ ممالک: مثلاً امریکہ، کناڈا اور یورپی ممالک، (۲) ترقی پذیر ممالک: یعنی ایسے ممالک جہاں ترقیات کا عمل مکمل نہیں ہے مگر جاری ہے، مثلاً ہندوستان، (۳) پسماندہ ممالک: جہاں ترقیات کا عمل مطلوبہ معیار سے فروتر ہے، مثلاً بنگلہ دیش وغیرہ، لیکن اس کو زیادہ سے زیادہ مادہ کی ترقی کہا جاسکتا ہے، انسانی دنیا کی نہیں، یہ کائناتِ الٰہی کا ارتقاء ہے، انسانیت کا نہیں، اللہ کی شانِ قدرت کا ظہور ہے، صفاتِ آدمیت کا نہیں،.....سوال یہ ہے کہ انسان کیا ترقی کی؟ انسان نے تو آج بھی وہیں ہے جہاں آج سے صدیوں پیشتر تھا، ایسا تو نہیں ہوا کہ کوئی خوبی پہلے والوں میں نہیں تھی اور آج پیدا ہوگئی ہو، پہلے شرافت نہیں تھی آج آگئی

ہو، پہلے انسانی سماج میں برائی، چوری، فحاشی، بے حیائی، مکروفریب، دھوکہ دہی، خیانت، رشوت اور دیگر اخلاقی خرابیاں تھیں، آج انسانی معاشرہ ترقی کرکے ان کمزوریوں سے پاک ہوگیا ہو، آج بھی انسانی سماج میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو پہلے موجود تھیں، بلکہ آج کا اخلاقی معیار کچھ زیادہ ہی زوال پذیر ہے، آدمی کی آدمیت روز بروز گرتی جارہی ہے،

انسان مادی دنیا میں آگے کی طرف جارہا ہے، لیکن معنوی طور پر بہت پیچھے ہے، اس کا ظاہر جس قدر رنگا رنگ ہے، باطن اتنا ہی تاریک، اوپر سے زندہ وتابندہ نظر آتا ہے لیکن اندر کا انسان مرچکا ہے، یا کم از کم مرنے کے قریب، اس لحاظ سے دنیا جوں جوں بظاہر آگے بڑھ رہی ہے، اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ ہوتی جارہی ہے، ترقی پذیر یا پس ماندہ ملکوں کا تو کہنا ہی کیا، عالمی منڈی میں ان کا وزن ہی کیا ہے لیکن خود اپنے کو ترقی یافتہ کہلانے والے ملکوں کی اخلاقی صورتِ حال بھی بہتر نہیں ہے، بلکہ ان کی حالت اور بھی ابتر ہے، اخلاقی طور پر ان کی زندگی حیوانوں سے مختلف نہیں ہے۔

اگر آج زندگیوں سے غیبت، چوری، مکروفریب، خیانت اور بدکاری ختم ہوگئی ہوتی، دنیا میں کہیں لوٹ مار نہیں ہوتی، کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا، روئے زمین پر امن وسکون عام ہوگیا ہوتا، اور انسان اعلیٰ اخلاقی معیار پر پہنچ گیا ہوتا تو یہ کہنا درست تھا کہ آج انسانی دنیا نے بڑی ترقی کرلی ہے، انسان چاہے ستاروں پر کمندیں ڈال لے اگر اپنے نفس کو اسیر نہیں کرپایا تو کوئی فائدہ نہیں، سیارات کی گذرگاہوں کو تلاش کرلینا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ انسان اپنی گم کردہ شخصیت کو دریافت کرلے، خود اپنی دریافت انسانیت کی سب سے بڑی یافت ہے، روئے زمین کے مشرق ومغرب کو رنگ ونور سے معمور کردینا مادی طور پر بڑا کام ہے، لیکن معنوی دنیا میں اس سے بھی بڑا کام خود اپنے وجود کے طول وعرض کو روشن کرنا ہے، اقوام وملل اور کائنات کی بے شمار اشیاء کے نفع ونقصان اور ان کے مقاصدِ تخلیق کی معرفت یقیناً علم کا بلند ترین درجہ ہے، مگر خود اپنے مقصدِ تخلیق کو جان لینا علم کا آخری مقام ہے، آج لوگ زوائد میں الجھ کر مقاصد کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اور وسائل کو مقاصد کا درجہ دے دیا گیا ہے،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا کا سفر کرنہ سکا

دنیا کے ہر آسمانی مذہب نے بالخصوص اسلام نے انسانیت کو یہ فرق سمجھایا، اور ہر ایک کا درجہ معین کیا، جینے کے اصول بتائے، دنیا کے وسائل واسباب سے استفادہ کا رخ متعین کیا، پہلے کے انسان بڑی حد تک ان اصولوں کے پابند تھے، اور اس باب میں ان کی معرفت آج کے انسانوں سے بدر جہا بلند تھی، آج ضرورت ہے کہ اسلام کا وہ نسخہ کیمیا، عصری تعبیرات اور نئی آب وتاب کے ساتھ پیش کیا جائے اور پہلے خود مسلمان اور مسلم ممالک اس کا عملی نمونہ پیش کریں،

(۲) آج امکانات کی دنیا جتنا وسیع ہوگئی ہے مسلمانوں کے لیے اتنے قوی امکانات کبھی نہیں رہے، لیکن ان سے استفادہ کرنے میں مسلمان سب سے پیچھے ہیں، آج ان امکانات سے (جن کا بڑا حصہ مسلم ملکوں میں پایا جاتا ہے) سے فائدہ اٹھا کر مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن سکتے تھے، اور ان وسائل کو اعلی مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے، لیکن آج مسلمان دنیا کی سب سے کمزور قوم ہے، مادی اور معنوی دونوں میدان میں پس ماندہ ہے، مسلم ممالک اپنی قوتیں تعمیری محاذوں پر صرف کرنے کے بجائے جزوی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، اور جو قوم ساری انسانیت کی تعمیر کا کام کر سکتی تھی وہ اپنی تعمیر سے بھی عاجز ہے، انہی چیزوں سے مجبور ہو کر آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد غیر مسلم ملکوں کا رخ کر رہی ہے، اس لیے کہ عوامی ترقیات کے جس قدر امکانات آج ان ملکوں میں ہیں، مسلم ممالک میں نہیں ہیں، نہیں معلوم اسلامی قیادت کب عملی ہوش کے ناخن لے گی،؟ سوئی ہوئی قوم کب بیدار ہوگی،؟ اور اس کی آسمانی قوتوں سے اقوام عالم کس طرح فائدہ اٹھائے گی؟

ہم جیسے کمزور لوگ سوائے دل کی کڑھن اور رب ذوالجلال کے حضور فریاد کے اور کیا کر سکتے ہیں، آج حال یہ ہے کہ جس کے پاس وسائل ہیں وہ آگے بڑھنے کی فکر نہیں رکھتے اور جو فکر رکھتا ہے اس کے پاس وسائل نہیں ہیں، زندگی اسی احتیاج سے عبارت ہے، اور اسی سے بندگی کی

تفسیر سامنے آتی ہے، اور بندہ کتنا بے بس اور کمزور ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ ہمارے احساسات کو قبول کرے، اور ایک بار پھر ملتِ اسلامیہ کو انہی عظمتوں سے آشنا کر دے، جو ایک مدت تک اس ملت کو حاصل رہی ہیں، آمین۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ضروری اعلان

ڈاک خرچ کی زیادتی اور طباعت وکاغذ کی گرانی کی بناء پر رسالہ کی قیمت میں معمولی اضافہ کیا گیا ہے،
اب فی شمارہ قیمت ۲۰/روپے۔
سالانہ زر اشتراک ۷۵/روپے۔
اس اضافہ کے لیے قارئین سے بہت بہت معذرت ہے،

ادارہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیغام ربانی

بیعت رضوان

محمد خالد مجاہد جونپوری

لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاقریبا.

ترجمہ: یقیناً اللہ پاک راضی ہوگئے ایمان والوں سے جودرخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے ہیں، پس معلوم ہوگیا جوکچھ ان کے دلوں میں تھا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور ان کو ایک فتحِ قریب کا انعام دیا۔

''بیعتِ رضوان''

اس آیت کریمہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے، اسلامی تاریخ کا یہ عظم واقعہ ۶ھ میں پیش آیا، جب حضورﷺ نے ایک خواب کے مطابق اپنے ۱۴۰۰ رصحابہؓ کے ہمراہ قربانی کے جانور کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے روانہ ہوئے، مشرکینِ مکہ جو مسلمانوں کی دشمنی میں اندھے ہوچکے تھے، وہ مسلمانوں کے راستہ کی رکاوٹ بننے لگے، حالانکہ وہ حرم میں داخلے سے کسی کو بھی نہیں روکتے تھے، ان کو اپنے سفر کا مقصد سمجھانے کے لیے حضورﷺ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ آپ تشریف لے جائیے اور ان مشرکین کو سمجھائیے کہ ہم تو صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، کوئی جنگ کرنا یا مکہ پر قبضہ کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے، اور دوسرا یہ کہ مکہ میں جو مسلمان پھنسے ہوئے ہیں ان کو جا کر آپ بشارت سنائیے کہ عنقریب اللہ تعالی کی طرف سے ان کے لیے کشادگی اور فرحت کا موقع آنے والا ہے، حضرت

عثمانِ غنیؓ جب مکہ پہنچے تو ان کو مشرکینِ مکہ نے روک لیا اور ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا گیا۔

''ایک مسلمان کے خون کی قیمت''

اب یہ مسئلہ ایک مسلمان کے خون کا بن گیا، اور آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان کا خون اور مسلمان کی عزت اللہ تعالی کے نزدیک کتنی قیمتی ہے، روایات میں آتا ہے کہ اگر کعبہ کے ایک پتھر کو بیچا جائے (حالانکہ کعبہ کے ایک پتھر کی قیمت بھی کوئی نہیں دے سکتا) تب بھی ایک مسلمان کی عزت کے برابر اس کی قیمت نہیں ہوسکتی، اللہ تعالی کے یہاں مسلمان کا مقام بہت اونچا ہے، ہمارے یہاں تو یہ چھوٹا مسئلہ ہے کہ ایک قاصد بھیجا تھا وہ قتل ہوگیا اور بس، ہم تو ہزاروں کا خون سہہ لیتے ہیں، لاکھوں عزتوں کا لٹتا ہوا برداشت کرلیتے ہیں، لیکن وہ خدا کے نبی تھے، وہ صحابہ کرام تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہم میں سے ایک کو بھی ظلم کے ساتھ قتل کردیا اور اس کا انتقام نہ لیا تو پھر اس زندگی کا مزہ ہی کیا ہے، آج اگر ایک مسلمان کا خون اسی طرح رائیگاں چلا گیا تو پھر کل جس کا دل چاہے گا مسلمانوں کی گردن کاٹے گا، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اس ظلم کو ہم ہرگز برداشت نہیں کرسکتے ہم دنیا سے ظالمانہ رسم کو ختم کریں گے، اگرچہ اس رسم کو ختم کرنے کے لیے ہمیں ختم ہونا پڑے، آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ بیعت کس چیز پر تھی۔

''موت پر بیعت''

مشہور صحابی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے یزید بن اخی عبداللہ نے پوچھا کہ کس چیز پر تم لوگ بیعت کررہے تھے، فرمایا: **علی الموت** (صحیح بخاری ج ا ص ۴۱۵) کہ موت کے اوپر بیعت کررہے تھے، کہ مرجائیں گے لیکن عثمانؓ کے خون کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کس چیز پر بیعت کررہے تھے فرمایا: **بایعنا علی الصبر** کہ ہم اس بات کی بیعت کررہے تھے، کہ دشمن کتنا بھی طاقتور کیوں نہ آجائے ہم میدان سے نہیں بھاگیں گے، (صحیح بخاری ج ا ص ۴۱۵) صحابہ کرامؓ لڑنے کی نیت سے آئے ہی نہیں تھے، زیادہ اسلحہ بھی ساتھ نہیں تھا، صرف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ان کے پاس تلواریں تھیں، جوان کے ساتھ ہر وقت ہوا کرتی تھیں، ذرا تصور کیجئے اس منظر کا کہ وطن سے دور ہیں دشمن کے نرغے میں ہیں، دشمن کا علاقہ قریب ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس لڑائی کا میدان حدودِ حرم بنتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بھی برداشت کرلیا ایک مسلمان کی عزت کی خاطر حدودِ حرم میں لڑائی کو گوارا کرلیا، اس سے اندازہ کیجئے کہ مسلمان کی جان وعزت کتنی بڑی چیز ہے، اللہ کے نبی ﷺ درخت کے نیچے بیٹھے ہیں، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جم گھٹا لگا ہوا ہے، ایک ایک پروانہ وار آ کر بیعت ہو رہا ہے، کہ ہم میدان نہیں چھوڑیں گے، مرتے دم تک لڑیں گے، اور عثمانؓ کے قاتلوں کو سمجھا دیں گے کہ مسلمان کا خون ارزاں نہیں ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے یہ منظر دیکھا تو دوڑے ہوئے آئے آ کر بیعت کی تمام صحابہؓ بیعت کر رہے تھے، اچانک اللہ کے نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں رکھا اور کہا میں عثمانؓ کی طرف خود بیعت کرتا ہوں۔

''رضامندی کا اعلان''

بس ادھر بیعت ہو رہی ہے اور ادھر فیصلے ہی کچھ اور ہو گئے اور اعلان آ گیا کہ جبرئیل جا کر کہہ دیجئے کہ: **لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ**

ترجمہ: یقیناً اللہ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جب انہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کرلی، موت کی بیعت کرلی، میدان نہ چھوڑنے کی بیعت کرلی اللہ پاک راضی ہو گیا، اور وہ وعدہ کرتا ہے کہ؛

اثابھم فتحا قریباً..... ترجمہ: اب ان پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، فتوحات کے دروازے کھل گئے، صلح حدیبیہ کے بعد واپس گئے۔

۷ھ میں خیبر فتح کیا اور ۸ھ میں پورا مکہ بھی فتح کرلیا، **انا فتحنا لک فتحا مبینا.....** یہ بظاہر دبی ہوئی صلح تھی، لیکن چودہ سو صحابہ کرامؓ کا امام المجاہدین حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بہت بڑی بات تھی، ان کے جذبۂ جہاد کو بیعت علی الجہاد کو دیکھ کر اللہ پاک نے آئندہ کے لیے فتوحات کے دروازے کھول دیئے۔

''کافر ڈر گئے''

صحابہ کرامؓ کی یہ عجیب وغریب اور حیرت کی بات تھی کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیعت کیے جا رہے ہیں اور ہر ایک زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔

نحن الذی بایعوا محمدا

علی الجھاد مابقینا ابدا

ہم ہی ہیں وہ، جنہوں نے امام المجاہدین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ہات پر اس بات کی بیعت کرلی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے، جہاد کے عمل کو نہیں چھوڑیں گے، ادھر مشرکین مکہ کو پتہ چلا کہ آج بیعت ہو چکی ہے، اور عہد ہو چکا ہے، اور یہ لوگ عہد کے پکے ہیں، تو وہاں سے اعلان کروادیا کہ عثمان غنیؓ زندہ ہیں، ہم کوئی لڑائی نہیں کرنا چاہتے، پہلے تلواریں لیے پھرتے تھے تیر اور نیزے تیز کر رہے تھے، مسلمانوں کے قتل کا پروگرام بنا رہے تھے، بیعت علی الجہاد نے ان کے سارے عزائم کو سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، کافر ساز وسامان اور اسلحہ کے انبار کے باوجود ڈر گئے، مقابلہ کے لیے نہ آ سکے کیونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان موت پر بیعت کر چکے ہیں، اور اللہ رب العزت کا ارشاد ان **الذین یبایعونک** الخ یہ جو آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر رہے ہیں **انما یبایعون اللّٰہ** یہ حقیقت میں اللہ کے ساتھ معاہدہ کر رہے ہیں، اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، **یدا للّٰہ فوق ایدیھم** (الفتح: آیت ۱۰/) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، جس نے امام المجاہدین ﷺ سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کی اور جس نے اللہ سے بیعت کی دنیا میں اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔

''بیعت علی الجہاد اور منافقین''

آپ قرآن مجید میں دیکھیں جو آیت کریمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے، اس آیت کے اردگرد منافقین کا تذکرہ ہے، جو جہاد سے پیچھے رہ کر خوش ہو رہے ہیں اور پھر جب فتوحات کا وقت آیا، فتوحات کے دروازہ کھل گیا تو ساتھ جانے کی درخواست کر رہے ہیں، منافقین کا تو کام ہی یہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ مشکل حالات میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں، نبی کریم ﷺ جب تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین جشن منا رہے تھے کہ اب یہ لوگ واپس نہیں آئیں گے۔''

فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول اللّٰه و کرهوا ان یجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل اللّٰه'

'**ترجمه** :خوش ہو گیے منافقین اللہ کے نبی کے جانے کے بعد کہ اب تو یہ واپس نہیں آئیں گے، اور ان کو برا محسوس ہوتا ہے، کہ اللہ کے راستے میں جان و مال کے ساتھ جہاد کریں اور صرف خود ہی جہاد میں جانے سے نہیں رکتے بلکہ اور لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔'' **وقالوا لاتنفروا فی الحر** ''لوگوں سے کہتے ہیں کہ گرمی میں مت نکلو، آپ ﷺ! ان سے فرمادیجئے'' **قل نار جهنم اشد حرا**'' (التوبہ: پ۱۱/۸۱) کہ جہاد کو چھوڑنے کی وجہ سے تمہیں جس آگ میں ڈالا جائے گا وہ آگ دنیا کی اس گرمی سے زیادہ خطرناک ہے، جو گرمی جہاد میں تمہیں محسوس ہوتی ہے۔

''بیعت کا حکم کس نے دیا؟''

ان آیات کے ساتھ اللہ پاک ایمان والوں کی یہ خصلت بیان فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے بیعت کی مگر ان کو اس بیعت کی دعوت اور حکم کس نے دیا؟ فرمایا کہ بیعت کی دعوت ان کو اللہ نے دی تھی،

ان اللّٰه اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة(التوبہ)

ترجمه:اللہ نے جنت کے بدلے ایمان والوں کی جان و مال کو خرید لیا۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ خرید وفروخت میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو پیسہ اور دوسرا سودا یعنی وہ چیز جس کو خریدا جائے، اہمیت کس چیز کی ہوئی جس چیز کو خریدا جائے یا پیسے کی، نہیں اصل جو چیز ہوتی ہے۔ قصد جو ہوتا ہے وہ اس چیز کو خریدنا ہوتا ہے، اللہ پاک نے جنت کو قیمت قرار دیا جو کہ ارفع اور اعلی ہے اور ہماری جان و مال کو بیچنے والی چیز قرار دیا ہے، جو اصل ہے، تو ہماری جان و مال کو اللہ تبارک وتعالی نے جنت سے بھی زیادہ قیمتی قرار دیا، یہ نہیں کہا کہ تم نے اپنی جان و مال کے بدلے جنت کو خرید لیا، نہیں

ایسا نہیں بلکہ اللہ پاک نے جنت کے بدلے تمہاری جان و مال کو خرید لیا ہے۔

خریدنے والا اللہ اور بیچنے والے تم ہو اور قیمت جنت ہے، اور سامان تمہاری جان و مال ہے لوگو! دیکھو تمہاری گھٹیا سی جان کو تمہارے فنا ہونے والے مال کو اللہ نے جنت سے بھی قیمتی قرار دیا ہے، اور خود اس کا خریدار بن گیا ہے۔

''سودا کہاں ہوگا؟''

یہ خریداری کہاں ہوگی؟ گھر میں بیٹھے ہوئے، فرمایا: نہیں ''**یقاتلون فی سبیل اللّٰه یقتلون ویقتلون** ''تم اس کو لینے کے لیے میدان قتال میں نکلو گے، کبھی تم قتل کرو گے، اور کبھی تم قتل کیے جاوگے، دونوں حالتوں میں تمہاری خرید وفروخت اللہ کے ساتھ پکی ہوگی۔

''جان کب دینی ہے؟''

دنیا میں یہ قانون ہے کہ جب پیسہ دیا جاتا ہے تو چیز بھی فوراً دینی پڑتی ہے، مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ تم آج دینے کا وعدہ کرو آج سے ہی جان دینے والے بن جاؤ گے، بیشک اللہ تبارک وتعالی تمہاری جان اسی ۸۰/سال بعد یا نوے سال کے بعد میدان جہاد میں لے، یا میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے قبول فرمائے دشمن قتل کرے یا اپنے میں سے کسی کی کوئی غلطی سے لگ جائے، اپنی تلوار لگے یا گھوڑے سے گر کر مر جاؤ یا تمہیں بچھو سانپ یا کوئی اور جانور کاٹ لے، یا اللہ کے راستہ میں پہریداری کرتے ہوئے یا گرمی یا سردی سے مر جاؤ، ہر حال میں تمہاری یہ خرید وفرحت پکی ہوگئی۔

''منافقین کا پروپگنڈہ''

ایک صحابی غزوۂ خیبر کے موقع پر لڑ رہے تھے تلوار چھوٹی تھی، دشمن پر وار کیا، پوزیشن یہ تھی کہ ایک پاؤں آگے تھا ایک پیچھے تلوار دشمن تک نہ پہنچ سکی اور ان کے اپنے ہی گھٹنے پر لگی گھٹنا کٹ گیا، اور وہ شہید ہوگئے، ان کے بھتیجے جو بڑے ہی جلیل القدر صحابی تھے، بہت پریشان ہوئے، کیونکہ منافقین باتیں کر رہے تھے کہ ان کا کوئی عمل ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنے ہاتھوں قتل ہوگئے اور شہادت سے محروم رہ گئے، پھر منافقین بھی اسی وقت مسلمانوں کے ساتھ جایا کرتے تھے، وہ اس قسم کی باتیں تو بہت پھیلایا کرتے تھے، کوئی موقع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، کبھی صحابہ کے درمیان مہاجر اور انصار کا جھگڑا کھڑا کر کے لڑانے کی کوشش کرتے تھے، تو کبھی غلط الزامات لگا کر صحابہ کو پریشان کرتے اور مختلف سازشوں کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی ہر وقت مذموم کوشش میں لگے رہتے تھے، اس وقت سے لے کر آج تک منافقین کا یہی کام ہے کہ مسلمان کبھی بھی متحد نہ ہوسکیں، وہ صحابی روتے ہوئے نبی اقدس ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا: میرے چچا شہید ہیں کہ نہیں؟ امام المجاہدین حضور اقدس محمد ﷺ نے فرمایا: ''عام شہید کو اللہ پاک جو اجر عطا فرماتے ہیں، تیرے چچا کو اس سے دوگنا اجر ملا ہے، ایک تو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کا دوسرا لوگوں کا ان پر باتیں بنانے کا، اللہ کی مرضی جس طرح جان لے، یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کس کی جان کس انداز سے لے، اور کس کی تلوار سے لے، یہ انسان کے اختیار میں نہیں، انسان کے اختیار میں یہ ہے کہ بزدلی کے کپڑے اتار کر سستی اور غفلت کو چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاد کی زندگی کو اختیار کرے، اب اللہ کی مرضی کس انداز سے اس کی جان لیتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ میں کسی کی جان یوں لی گئی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ کسی کی جان یوں لی گئی کہ وہ گھوڑوں کے نیچے روند ڈالے گئے، کسی کی جان یوں لی گئی کہ پہرہ داری کرتے ہوئے تیر آ کر لگ گیا اور شہید ہوگئے، اور کسی کی جان اللہ پاک اس طرح لی کہ ناک کان کاٹ دیئے گئے، کسی کی جان اس انداز سے لی کہ گھوڑوں سے گرے، اور وہیں شہادت کا رتبہ ملا، کسی کی جان اللہ پاک نے یوں لی کہ میدان جہاد میں چلتے ہوئے راستے میں طبعی موت آ گئی، اور وصیت کے مطابق جنازہ بھی مجاہدین کے ساتھ چلا، جب تک زندہ تھے، تب بھی جہاد میں اور انتقال ہوگیا تب بھی جہاد میں، جنازہ بھی مجاہدین کے ساتھ چل رہا ہے، اللہ کی مرضی کس طرح جان لے ہمیں تو صرف جان دینی ہے، اللہ کے سپرد کرنی ہے، کہ یا اللہ! میری جان حاضر ہے قبول فرمالیجئے۔ پھر بھی وہ بے شک امیر کے حکم سے روٹیاں پکا رہا ہو اور گولہ آ کر لگا اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، پھر بھی اعلی درجہ کا شہید، دشمن پر حملہ کرتے ہوئے مورچہ میں گھس گیا، کافروں کو ذبح کیا اور خود بھی شہید ہوگیا، تب بھی اعلی درجہ کی شہادت ہمارا کام صرف اپنی جان کو اللہ کے حوالے کرنا ہے، اس کے بعد مولائے کریم کی مرضی کہ کس طرح سے ہماری جان قبول فرمائے۔

اصول دعوت

داعی کے اوصافِ حمیدہ

مولانا احمد نصر بنارسی
مہتمم مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس

دین کا ہر شعبہ زندہ رہے، اور ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد ہوں اور جس کام کو کرنا ہے اس کی تمام خصوصیات ان میں موجود ہوں فی زمانہ اس کی کس قدر ضرورت ہے یہ اہل علم وفہم سے پوشیدہ نہیں ہے، آج کی اس مجلس میں اس پر کچھ عرض کرتا ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دینی فریضہ ہے، اس فریضہ کو انجام دینے والے کو داعی الی اللہ کہتے ہیں، اس داعی الی اللہ کو ہم لوگ عالم، مبلغ، مقرر، ناصح، واعظ بھی کہتے ہیں۔

مقامِ غور وفکر یہ ہے کہ آج مراکز دینیہ، مدارس اسلامیہ کی کمی نہیں ہے، مبلغین ومقررین کی بھی قلت نہیں ہے، دن رات تقاریر کا سلسلہ جاری ہے، تصنیف وتالیف کی اشاعت بھی خوب ہو رہی ہے، مگر کیا بات ہے کہ خاطر خواہ نفع نہیں ہو رہا ہے، دنیا کی محبت، ظاہر پرستی، تعیش پسندی میں اضافہ ہی ہے، کسی کو الزام دینے سے قبل اس پر غور کر لیا جائے کہ ہم لوگ جو خود اس کا اہل تصور کرتے یا نا اہلی کے تصور کے باجود اس کام کو کسی کا حکم سمجھ کر یا ذمہ داری کے احساس کے تحت دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، ہم میں ہی تو خامیاں نہیں ہیں۔

یہ بات اس وجہ سے عرض کر رہا ہوں کہ اک مرد مومن نے اک ولی کامل نے خود مجھ سے کہا تھا کہ خواص کے بگڑ جانے سے عوام بگڑ گئے ہیں، اور اگر میرا حافظہ درست ہے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے یقیناً کسی معتبر کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر علماء مباح کے عادی ہوں گے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو قوم ناجائز امور کا ارتکاب کریگی، اور اگر علماء ناجائز کام کرنے لگیں گے تو عوام حرام کام میں مبتلا ہوجائیں گے، اگر خدانخواستہ علماء ہی حرام کام کرنے لگے تو عوام شرک میں مبتلا ہوجائیں گے، الفاظ ٹھیک یا دنہیں مگر مفہوم وخلاصہ اس کا یہی تھا، جو عرض کیا۔

بات یہ ہے کہ لوگ خواص کے اعمال وافعال وکردار سے متأثر ہوتے ہیں، چونکہ علم وفہم کی کمی ہوتی ہے، اس لیے زیادہ آزادی آجاتی ہے۔

''حدود اللّٰہ''

اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑتے چلے جاتے ہیں، تو غور وفکر اس پر کرنا ہے، کہ دعوت وتبلیغ کے ذمہ داروں (خواہ ان کا نام معاشرے میں کچھ بھی ہو، اور وہ دین کی کسی بھی لائن سے جڑے ہوں) یعنی داعی الی اللہ کو کیسا ہونا چاہئے کن صفات کا حامل ہونا چاہئے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کیسے انجام دینا چاہئے، کیونکہ یہ کام عظیم الشان ہے، اس لیے اس کے حامل کو بھی عظیم ہونا چاہئے، ایسا نہیں کہ اصلاح وتربیت کے باب میں ہم کو بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ مصلح ومربی کو شریعت حقہ کے تابع ہوکر ہی اس کام کو کرنا ہے۔

دیکھئے! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو بھی وہی سب کرنا چاہئے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا ہے'' (تفہیمات)

تو اب دو کام کرنا ہے، ایک تو داعی کو اپنی فکر دوسرے طریقۂ سنت کے موافق تبلیغ کی فکر، دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اول بتایا گیا کہ اپنا مقام ومرتبہ پہچانو کہ تم کو میں نے اپنی رسالت وکلام کے لیے چن لیا ہے، یہ ہوا مرتبہ کا احساس دلانا، پھر کہا گیا کہ جو میں دے رہا ہوں اس کو لو اور شکر ادا کرو، یہ ہوا ذمہ داری کا احساس دلانا اور شکر گزاری، یہ محض انعام خداوندی ہے، یہ ہوا اوصاف حسنہ کی طرف توجہ دلانا۔

معلوم ہوا کہ داعی کو سب سے پہلے اپنے مرتبے اور ذمہ داری کا احساس ہونا

چاہئے، پھر اوصاف حسنہ اسی اعتبار سے پیدا کرنا چاہئے۔

''اول مصلح ومربی کی صفات''

سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ داعی ومصلح میں صفات کیا ہونی چاہئے، تو سنئے سب سے پہلے تو نیت کی درستگی کی ضرورت ہے، یعنی تصحیح نیت فرض ہے۔ بغیر اس کے گاڑی پٹری پر آہی نہیں سکتی ہے، یعنی مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہونی چاہئے، اعزاز دین ورضائے الٰہی شرط اول ہے، اسی کو میرے آقا ومرشد حضرت مسیح الامتؒ یوں فرماتے ہیں کہ: تبلیغ کرنے کے لیے اول اخلاص ہو کہ رضائے الٰہی کے علاوہ اور کوئی غرض نہ ہو۔ (حیات مسیح الامت ص ۵۹۳)

یہ کیوں ضروری ہے؟ اس کو بھی ان کی زبان مبارک سے سنئے کہ: بدون اخلاص کام میں قوتِ استحکام اور برکت نہیں ہوتی، عامل کو ثواب نہیں ملتا اور اخلاص وہ رضائے الٰہی کی نیت کا ہونا ہے، (۵۹۵ حیات مسیح الامت)

دوسری صفت داعی ومبلغ کو علم ہے کہ وہ علم کی صفت سے متصف ہو، جس چیز کو اس کو بیان کرنا ہے اس کا پورا علم ہو، مدرسہ میں رہ کر یا جماعت میں جا کر صرف چرب زبانی سیکھ لیا یہ تو زہر ہے، دیکھئے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ امر بالمعروف کے لیے ضروری ہے کہ معروف ومنکر کا عالم ہو (وصیۃ العرفان ۱۱ر سمبر ۹۸ء)

حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو بدون علم کے معتبر اور مقبول نہیں، ہر عمل کا قانون کے ماتحت (موافق) ہونا شرط ہے اور وہ علم پر موقوف ہے، (خواہ یہ علم معتبر جیسے بھی حاصل ہو) (حیات مسیح الامت ۵۹۸/)

تیسری چیز، داعی ومصلح کا باعمل ہونا ہے، ارشاد فرمایا کہ جس چیز کا دوسروں کو امر کررہا ہے، خود بھی اس پر عامل ہو، تاکہ اس کی وجہ سے اس کو عار نہ دلایا جائے کہ خود تو پابند نہیں ہو دوسروں کو کیا کہتے ہو، آگے فرماتے ہیں کہ عاقل سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ دوسروں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی اصلاح کی خاطر اوران کونفع رسانی کی فکر وسعی میں اپنے نفس کی ہلاکت وخسران سے چشم پوشی کرے،اور بالکل پرواہ نہ کرے۔

آگے اور ملاحظہ فرمائیے، کہ دین وتقوی جس میں سراسر نفع ہی نفع ہے، اپنے کو اس سے پیچھے رکھنا اور خسران پر راضی رہنا یہ سوائے احمق کے اور کوئی نہیں کرسکتا،

(خلاصہ وصیۃ العرفان ۱۳/۱۴ ستمبر ۹۸ء)

چوتھی چیز ہے داعی اور مصلح ومربی کا صابر ہونا تا کہ اصلاح وتربیت نیز دعوت وتبلیغ کی راہ میں آنے والی تمام مشکلات پر صبر کرنے والا ہو، خواہ وہ راہ کی مشکلات ہوں یا عوام الناس کی طرف سے زبان درازی ہو، یا ہم عصروں کی طرف سے طعن وملامت ہو سب میں صبر کرے۔

پانچویں چیز دعاء ہے، کہ دعاء خوب کرے، یعنی تضرع والحاح کے ساتھ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں خوب دعا کرے، کہ تمام توفیقات خیر اسی دربار سے ملا کرتی ہیں اگر ان تمام صفات کو اپنے اندر پیدا کرلیا جائے تو انشاء اللہ قلیل عرصے میں نفع کا ظہور ہوگا۔

''طریقۂ اصلاح وتربیت''

اب مختصرا عرض کرتا ہوں کہ مصلح ومربی وداعی کو کیسے اصلاح کا کام کرنا چاہئے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا طریقہ کیا ہو۔اس لیے کہ وعظ ونصیحت، اصلاح وتربیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ دین کا فائدہ ہو اور آخرت کی طرف رغبت ہو، ہمارے شیخ ومرشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلب وعظ پر بیان بہ محبت ورحمت غالب رکھا جائے، عنوان بملاطفت کلام بحلاوت چہرے پر بشاشت قلب میں عدم شکایت انقطاع از خلقت مخالفین کی طرف سے مخالفتوں کے پیش آنے پر بس سکوت اپنے کار حق میں بخلوص مشغول اپنے اسلاف کا طریق اپنائے رکھیں۔(حیات مسیح الامت ۵۸۷/۵۸۸)

اسی کو امام غزالی نے اپنے انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) مصلح ومربی میں رفق ولین یعنی شفقت ہونی چاہئے، سختی سے کام خراب ہوجائے گا، (۲) کسی کے اعمال پر خدامت بنو یعنی لوگوں کے گناہوں (اس میں سب کے اعمال سیئات آگئے) کو اس طرح مت دیکھو کہ تم ہی خدا ہو، بلکہ ان پر رحم کرو ہدایت کی دعا کرو، نرمی سے نصیحت کرو۔

اپنے نفس کی شرکت نہ ہو، حظِ نفسانی، حبِ جاہ، حبِ مال کے لیے یہ سب کام نہ کرے، بلکہ نفس کا شائبہ ہو تو اس کام کو اس وقت ترک کردے۔

حضرت مسیح الامتؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ داعی اور مبلغ یعنی تبلیغ کرنے والے کے لیے اول اخلاص ہو کہ رضائے الٰہی کے علاوہ اور کوئی غرض نہ ہو۔

دوسری شرط ہے علم، کہ جس کی تبلیغ کررہا ہے، اس کا علم بقدر ضرورت ہو۔تیسری شرط ہے حلم کہ کوئی کیسی ہی طبیعت کے خلاف بات کہہ دے برداشت کرے کوئی پرواہ نہیں۔چوتھی شرط ہے ترحم شفقت اور مہربانی، یہ شے فی زمانہ عنقاء ہے، اور پانچویں شرط ہے، مامور ہونا، یعنی کسی اہل کی جانت سے حکم دیا جائے۔

خلاصہ: حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ اب بطور خلاصہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو دعوت الی اللہ کے لیے مبعوث فرمایا ہے، اور اس کے شرائط اور آداب سکھلایا ہے، قرآن میں تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے بارے میں بہت سی آیات موجود ہیں جن کا مستحضر رکھنا ہر اس شخص کے لیے جو اس منصب پر فائز ہو لازم ہے، مختصر یہ ہے کہ آمر بالمعروف اور داعی الی اللہ کو مخلص ہونا چاہئے، اپنے کسی مسلمان بھائی کو کچھ کہے تو اس سے محض اس کی نصح وخیر خواہی مدنظر رہنی چاہئے، اپنے ذاتی اغراض جاہ ومال کی خاطر امر ونہی کرنا جائز نہیں ہے، نذرانوں کی فرمائش، اس کا مطالبہ یہ صریح ناجائز ہے اور اس کا طالب نااہل ہے۔

عالمِ کہ کامرانی وتن پروری کند
اوخویشتن گم است کرا رہبری کند

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوسری یہ بات ہے کہ اس کو فقیہ ہونا چاہئے، مطلب یہ کہ اس کو مسائل سے واقفیت ہونی چاہئے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مواقع کو پہچاننا چاہئے، اس لیے کہ بسا اوقات بے موقع بات کہہ دینے سے کام خراب ہوجاتا ہے، حضور اقدس ﷺ وعظ کے لیے مناسب وقت کا انتخاب فرما کر وعظ فرماتے تھے، ہر وقت نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آمر داعی کو رفیق ہونا چاہئے، درشتی اور سختی سے پیش نہ آنا چاہئے، اس لیے کہ رفق سے مامور زیادہ متأثر ہوتا ہے، اور اس میں زیادہ نفع ہے، بہ نسبت عنف سختی کے، حضور اقدس ﷺ عموماً رفق ہی سے نصیحت فرماتے تھے، یہاں ایک بات یہ سمجھ لینی ضروری ہے کہ کبھی غلظت اور عنف کی بھی باب اصلاح وتربیت میں ضرورت پڑتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

یا یھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم

ترجمہ: اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجیے اس کے تحت روح المعانی میں ہے، **استعمل الخشونۃ علی الفریقین فیما تجاھد بہ اذا بلغ الرفق مداہ** ۔یعنی آپ جس امر کے بارے میں دونوں سے جہاد کررہے ہیں، اس میں سختی اختیار کیجئے جب نرمی کی انتہا ہوجائے۔ (روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے کہ اس میں رفق ونرمی کو چھوڑ کر غلظت وسختی اختیار کرنی پڑتی ہے، اور یہی شرعی حکم ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے کفار ومنافقین پر غلظت کا امر اپنے نبی کو فرمایا، اس کے لیے ضرورت ہے بصیرت وعرفان کی پس جو کامل البصیرت ہو مواقع رفق ولین اور غلظت کو بخوبی پہچانتا ہو اس کے لیے جائز ہے کہ غلظت اختیار کرے، بعض مواقع پر اس قدر غلظت کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا، آنحضور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے مگر جو قاصر البصیرت ہے تو اس کے لیے رفق ہی متعین ہے، اس لیے کہ رفق میں ضرر نہیں ہے نفع ہے، بخلاف عنف کے کہ اگر غیر موقع میں ہو تو اس کا ضرر عظم واشد ہوگا خوب

سمجھ لیجئے۔

اس مختصر سی تحریر سے آپ کے ذہن میں آ گیا ہوگا کہ احتساب اور دعوت الی اللہ کے بہت سے آداب وضوابط ہیں، اس کے متعلق بہت سی آیات واحادیث ہیں، تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ان کی رعایت کریں، اگر خلاف کتاب وسنت اقدام کریں گے، تو اصلاح کیا، موجب فساد نہ ہوگا۔

حضرت مصلح الدین سعدیؒ فرماتے ہیں:

دریں بحر جز مرد داعی نہ رفت — گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت
کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند — برفتند وبسیار سرگشتہ اند
خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید
مپندار اسعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز پئے مصطفیٰ

اب حضور ﷺ کی اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں..... **اللّٰھم وَفِّقنِی لِمَاتحب وترضی من القول والعمل والفعل والنیۃ والھدی انک علی کل شئی قدیر.**

﴿بقیہ صفحہ ۴۵ کا﴾ جلدی سے جون پور حاضر ہوکر حضرت شیخ کی خدمت میں رنج والم کا اظہار کیا آپ نے فرمایا: بات وہی ہوگی اگر بہلول جنگ کرتا یعنی اس کا ارادہ کرتا تو وہ محروم ہوتا تم نے یہ ارادہ کیا تو وہ بات تم پر پوری ہوئی، آخر انجام یہ ہوا کہ سلطان حسین لودھیوں کے مقابلہ میں شکست کھا کر بہار میں پناہ گزیں ہوا تو عارف باللہ شیخ صدر الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی، انہوں نے جواب دیا: ''انداختۂ خواجہ محمد عیسی رانمی توانیم برداشت'' یعنی شیخ محمد عیسیؒ کے ٹھکرائے ہوئے کو ہم اٹھا نہیں سکتے، (تجلی نور ص ۲۲-۲۴ ج ۱)

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب ونظر مانگ — نہیں ممکن امیری ہے فقیری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آخری قسط

تاریخ

صوبۂ بہار کا قافلۂ دعوت وعزیمت

محبوب فروغ احمد قاسمی، منورواشریف، سمستی پور ورفیق الوقف المدنی الخیری دیوبند

''مولانا بشارت کریم گڑھولوی''

غالباً اسی دور کی بات ہے، کہ ایک طرف حضرت مونگیری، کانپور سے ترکِ وطن کرکے، مونگیر کو مسکن بنارہے تھے، تو دوسری طرف ایک اور عظیم شخصیت کانپور سے ہی فیض یاب ہوکر سیتامڑھی کے ''گڑھول'' گاؤں میں عشقِ حقیقی کی دکان سجارہی تھی، جس کو آج حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے نام سے جانا جاتا ہے، آپ ۱۲۹۴ھ کو''بازید پور گڑھول''میں پیدا ہوئے، چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، دس سال کی عمر میں والدمحترم جناب عبدالرحیم صاحبؒ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے، بہنوئی نے تربیت کی اولاً انگریزی شروع کی، مگر طبیعت نے کچھ زیادہ گوارہ نہ کیا، چنانچہ عربی تعلیم کا آغاز اس طرح کیا کہ ابتدائی تعلیم ''دربھنگہ'' میں حکیم مولانا حسن چھپروی سے حاصل کی، حفظ جامع العلوم مظفر پور میں مکمل کیا، ساتھ میں شرح جامی بھی پڑھتے رہے، اعلیٰ تعلیم کے لیے کانپور تشریف لے گئے، اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے منقول ومعقول حاصل کیا۔

شروع سے ہی خدا طلبی کا جذبہ تھا، فراغت کے بعد ۲۶ر سال کی عمر میں حجِ بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اس سفر میں مولانا مونگیری، اور اس وقت کے ساتھی، لیکن بعد کے مرشد مولانا غلام حسینؒ بھی ساتھ تھے، وہاں دوسال تک قیام رہا، ادراہ مستقل قیام کا تھا، مگر''مولانا محبّ الدینؒ'' کے اصرار پر ہندوستان تشریف لائے، وقت کے مشہور ترین شیوخ کے یہاں تشریف لے گئے، مگر

کہیں تشفی نہیں ہوئی، چنانچہ آخر میں اپنے رفیقِ درس مولانا غلام حسینؒ صاحب کے ہاتھ میں ہی ہاتھ ڈال دیا، انہوں نے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچایا، آخر میں شیخ بھی ان کو''کبریت احمر'' کہا کرتے تھے، ۱۳۵۴ھ میں انتقال ہوا گڑھول شریف میں مدفون ہیں۔

آپ کے فیضِ صحبت سے ہزاروں کی تعداد میں علماء وصلحاء سمیت انسانوں نے فائدہ اٹھایا، آج یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے، کہ اس گئے گزرے دور میں جومختلف النوع افراد ''بہار'' میں رشد وہدایت، تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا کام کررہے ہیں۔ ان میں، آپ سے بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ فیض یافتہ افراد کو ہی اولیت کا شرف حاصل ہے۔

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ''

آپ ۱۲۹۹ھ، ۱۸۸۱ء میں پٹنہ کے قریب موضع ''مہنسہ'' میں پیدا ہوئے، اپنے ہی اطراف کے مولانا وحید الحق استھانوی سے عربی پڑھی، جب متوسطات کے قریب پہنچے تو مولانا محمد احسن کانپوریؒ کے یہاں تشریف لے گئے، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں مولانا عبدالکافی صاحب سے سندِ فضیلت لی، ۱۳۲۲ھ میں دستار بندی ہوئی، ۱۷ر شوال ۱۳۵۹ھ کی شام پونے پانچ بجے پھلواری شریف میں وفات پائی، پھلواری کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں، حضرت مولانا اس دور کے مردِ مجاہد تھے، ان کے عزم میں کبھی اضمحلال نہیں آیا، آپ کی پوری زندگی، دل سوزی، اور ہمدردی سے عبارت ہے، آپ کے عظیم ترین کارناموں میں تین کارنامے بہت نمایاں ہیں۔

''(۱) مدرسہ انوار العلوم گیا''

جہاں جہالت پوری طرح چھائی ہوئی تھی آپ نے ۱۳۲۹ھ میں انوارالعلوم کا فیض جاری کیا جس سے جہالت کی تاریکی کافور ہوئی، اور بدعات کی ظلمت سے لوگوں کو نجات ملی، زکریا فاطمی مدیر''الہلال'' اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''اس مدرسہ کا فیض، دور دور تک پہنچا، اور نہ صرف اس صوبے میں بلکہ دوسرے صوبوں کے تشنہ گانِ علوم بھی اس کے چشمۂ فیضان سے سیراب ہوتے رہے'' (محاسن سجاد ۱۳/۱)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''(۲) جمعیت علماء بہار''

مسلمانوں کی زبوں حالی، علماء کا آپسی نفاق، اورتفریق وانتشار مولانا کو ہردم بے چین کیے رہتا، چنانچہ عوام وعلماء کے مابین رابطہ استوار ہواس کے لیے انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں ''جمعیت علماء بہار'' قائم کیا، جس نے تھوڑے ہی دنوں میں مقصد کو کامیاب بنا دیا۔

''(۳) امارتِ شرعیہ''

لیکن سب سے زیادہ جو چیز آپ کی روح کو تڑپا رہی تھی، وہ علماء کی سیاست سے دوری تھی، مولانا کو ہردم یہ فکر رہی کہ علماء جس طرح ان کے دینی پیشوا ہیں، سیاسیات میں بھی قوم کی رہبری کریں، مسلمانوں میں دینی تنظیم قائم ہو، جس کے تحت تمام تبلیغی، مذہبی وتعلیمی وتمدنی کام انجام پائیں، دارالقضاء کا نظام ہو جو مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے کافی ہو، اس مقصد کے لیے انہوں نے امارتِ شرعیہ قائم کیا، جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

پورے صوبے کو درجہ وار علاقوں میں تقسیم کیا گیا، اور تبلیغ واشاعتِ اسلام کے لیے ہر جگہ مبلغین اور نقباء کا سلسلہ قائم کیا گیا، فتاوی اور باہمی جھگڑوں کے فیصلے کے لیے قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا گیا، اور اس تمام مشنری کو بروئے کار لانے کے لیے زکاۃ، صدقات، اور عشر وغیرہ کی تحصیل کے لیے مخلصین اور عمال جابجا مقرر کیے گئے، علاوہ ازیں مذبذب اور متزلزل ایمان رکھنے والی جماعتوں میں عقائد اسلامیہ کے استحکام اور پابندئ احکام کی تبلیغ کی گئی، مرتدین اور برگشتۂ ایمان لوگوں کو دائرہ اسلام میں واپس لانے کی جدوجہد ہوئی، اور غیر مسلمین میں اسلام کو کماحقہ روشناس کیا گیا، اوراس طرح کثیر تعداد مخلوقِ خدا آپ کی فیض رسانیوں سے مستفید ہوئی''

(محاسن سجاد ص۱۴ از مضمون زکریا فاطمی)

اور بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: حضرت مولانا بہار کی تنہا دولت تھے، جو لٹ گئی،

''ان کا وجود گو سارے ملک کے لیے پیامِ رحمت تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ صوبۂ بہار کی تنہا دولت وہی تھی، اس صوبے میں جو کچھ تبلیغی، تنظیمی، سیاسی اور مذہبی تحریکات، کی چہل تھی، وہ کل انہی

کی ذات تھی، وہی ایک چراغ تھا، جس سے سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان، اور بہار کی روح تھے، وہ کیا مرے، بہار مرگیا، مرثیہ ہے ایک کا اورنوحہ ساری قوم کا'' (محاسن سجاد ص۱۴۰ مضمون سید سلیمان ندوی)

یہ تو صرف چند شخصیات کا ذکر تھا ورنہ سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لیے، خدا نے موقعہ دیا تو ''دعوت حق'' کے صفحات پر مختلف شخصیات کو لے کر حاضر ہوتا رہوں گا انشاءاللہ۔

''بہار کی موجودہ صورت حال''

ہر چند کہ بہار کی موجودہ صورت حال، افسوس ناک حد تک خراب ہے، خانقاہیں اجڑ گئیں، مدارس ویران ہوگئے، تعلیمی اداروں، اور مذہبی مراکز کی وہ پہلی سی بات نہ رہی، مگر پھر بھی احیاء اسلام کی کوشش انفرادی اور اجتماعی ہر انداز سے ہورہی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روحِ بلالی پھر تڑپ اٹھی ہے، اور مختلف گوشوں سے حی علی الفلاح، حی علی الفلاح کی صدائے دل نواز سے فضا میں گونج پیدا ہورہی ہے، بعض ایسے سوتے اب بھی ہیں، جن سے فیضان جاری ہے، اور ہزاروں کی تعداد میں مستفیدین اب بھی راہِ سلوک کو طے کرکے، خدا کے نزدیک سرخرو ہورہے ہیں، نیز اس کے ساتھ ساتھ مروجہ تبلیغی جماعت کا بھی مختلف مراکز قائم کرکے، اور مختلف اجتماعات کرواکے، کم ازکم ناخواندہ عوام کو مسجد کی راہ دکھانے، اور خدا کے سامنے سربسجود کرنے میں اہم کردار رہا ہے، دوسری طرف اسلامی تنظیمی ماحول بنانے میں ''امارت شرعیہ'' اپنا کام پوری جاں فشانی سے انجام دے رہی ہے، گویا کہ جس داستان کا آغاز چھٹی صدی ہجری سے ہوا تھا وہ ہنوز جاری وساری ہے،

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے، اس بحر بے کراں کے لیے

﴿بقیہ صفحہ ۱۷ کا﴾ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ (سو) اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے، (اور) آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں، جو اس سے ڈرتا ہو، فکر آخرت پیدا کریں، ڈرتے رہیں، تیاری کریں یہ نہ پوچھیں کہ قیامت کب آئے گی۔ (جواہر الرشید ج۳ ص۱۲/۱۱)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تجزیہ

دینی مدارس کا دعوتی کردار

آخری قسط

رضوان احمد قاسمی (مدیر رسالہ)
منوروا شریف سمستی پور بہار، استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام، اصلاحِ معاشرہ، اوردعوتی میدانوں میں مدارس اسلامیہ کا کردار بنیادی رہا ہے، اوردین کی ہر تحریک نے انہی کی گود سے جنم لیا ہے۔

’’مدرسہ دہلی کے عظیم داعی‘‘

مبلغین اسلام میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے دعوتی کارناموں سے انکار کرنا کسی شپرۂ چشم کے لیے تو ممکن ہے مگر دانا وبینا اور باشعور شخص کے لیے قطعاً ممکن نہیں، اور یہ تینوں مبلغین بھی مدارس ہی کی پیداوار تھے، لیکن محض اختصار کی غرض سے ان تینوں بزرگوں کے حضور صرف اپنی بے پناہ عقیدت ومحبت کا پھول نچھاور کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی جسارت کرتے ہیں تاہم وہ اگلی منزل بھی انہیں تینوں بزرگوں کے تراشیدہ ہیرے اور ایسے داعی ومبلغ کی ہے جن کے اثرات کسی ایک علاقہ تک محدود نہیں، اور جنہوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متأثر کیا ہے وہ ہیں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی دہلویؒ (المتوفی ۱۳۳۵ء، ۷۲۵ھ) جن کے تبلیغی درد وسوز کو سمجھنے کے لے خود حضرت خواجہ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ ’’وہ رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، بڑا سنگدل ہے وہ جسے اپنے دینی بھائی کا غم نہ ہو۔ (تاریخِ دعوت وعزیمت ج۳ص۱۱۰)

اسی لیے مولانا ندوی نے لکھا ہے کہ ’’حضرت خواجہ نظام الدین کے ساتھ تعلق اور ان کے

ہاتھوں پر توبہ وبیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلماں کو جو فیوض وبرکات پہنچے اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت، عروج پر تھی اور غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب ومحرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی نئی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوگئی، جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا‘‘

(تاریخ دعوت وعزیمت ج۳ص۱۳۵)

بہرحال آج کا مؤرخ جس مبلغ کے نام پر اپنا سر دھن رہا ہے وہ بھی تو مدرسہ ومکتب ہی کی پیداوار ہے چنانچہ لکھا ہے کہ آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے پیدائشی وطن بدایوں کے ایک مکتب سے کیا جس میں مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری تک کتابیں پڑھیں، پھر سولہ سال کی عمر میں دہلی آئے اور یہاں شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر مقامات حریری وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اور مشہور محدثِ زمانہ شیخ محمد بن احمد الماریکلی المعروف کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کو سبقاً سبقاً پڑھا، اور اجازتِ حدیث سے فیضیاب ہوئے لیکن اب تو علم کی تشنگی اور بھی دو چند ہوگئی اس لیے قدرت نے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر تک پہنچادیا، اور ان سے بھی آپ نے باضابطہ علم حاصل کیا‘‘

گویا حضرت خواجہ نے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی مگر وہ مدرسہ کون سا تھا جہاں آپ نے دہلی وبدایوں کے اجل علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، اس کی تصریح میرے سامنے نہیں تاہم قرینِ قیاس یہ ہے کہ ’’مدرسہ معزی‘‘ تھا کیوں کہ حضرت خواجہ کا زمانہ علاء الدین خلجی اور غیاث الدین تغلق کا عہد حکومت ہے، اور آپ نے دہلی میں جس استاد سے حدیث کی سند پائی تھی وہ بھی سلطنت کے اہم ترین ذمہ دار تھے، جنہیں اس وقت تو ’’مستوفی الملک‘‘ کہا جاتا تھا مگر آج کی زبان میں صدر محاسب یا اکاؤنٹٹ جنرل کہا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ذمہ دار عالم کا حلقۂ درس اسی مدرسہ میں ہوگا جو ہر اعتبار سے فائق بھی ہو لہذا اس پس منظر میں جب ہم غور کرتے ہیں، تو اس مدرسہ پر ’’مدرسہ معزی‘‘ ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ مدرسہ بھی سلطان التمش کا قائم کردہ ہے اور پھر یہ بھی شاید ایک مناسبت ہو کہ بدایوں میں بھی اسی نام کا ایک مدرسہ تھا جسے التمش نے ہی قائم کیا تھا اور یہ نام مدرسہ کا اس لیے رکھا تھا کہ ’’التمش کے آقائے ولی نعمت شہاب الدین غوری کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اصلی نام معزالدین محمد غوری تھا۔(قدیم درسگاہیں ص ۲۱)

خیر مدرسہ جو بھی ہو حضرت خواجہ کے تمام تر کمالات کا رشتہ مدرسہ سے بہرحال جڑتا ہے، نیز آپ صرف متعلم ہی نہ تھے بلکہ معلم بھی تھے اسی لیے لکھا ہے کہ ''سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد جب آپ دہلی تشریف لائے ہیں، آپ کا مشغلہ درس وتدریس تھا اور اسی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔(آب کوثر ص ۲۳۱)

''مدرسۂ نظامیہ کا فیضان''

حضرت خواجہ نظام الدین کی تدریسی خدمات نے ایسے ایسے لعل وگہر پیدا کیے ہیں کہ ان کی چمک دمک سے بنگال، گجرات اور دکن کا علاقہ بھی نور ونکہت سے نہا اٹھا تھا، چنانچہ شیخ علاء الدین علاء الحق المتوفی (۱۳۹۸ء) اور ان کے صاحبزادہ حضرت نورالحق المعروف نورقطب عالم (المتوفی ۱۴۱۵ء) کی دعوت وتبلیغ نے بنگال میں ایمان ویقین کا جو چراغ روشن کیا تھا اس چراغ کو تیل فراہم کرنے والا مدرسہ خواجہ نظام ہی کا ایک طالب علم تو تھا جسے دنیا ''اخی سراج الدین عثمانی (المتوفی ۱۳۵۷ء) کے نام سے جانتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں: کہ ''آج بنگال کے تین کروڑ (اس وقت اتنے ہی مسلمان تھے مگر آج تو دس کروڑ سے زائد ہیں) مسلمانوں پر مسلمانوں کو ناز ہے، کہ اتنی بڑی آبادی کسی خالص اسلامی واحد ملک کی بھی نہیں لیکن غریب الدیار اسلام نے اس ملک میں جب قدم رکھا تھا تو لوگوں کو کیا معلوم کہ اس کی پالکی کو کندھا دینے والے کون کون لوگ تھے، ان میں ایک لڑکا بھی تھا جسے ابھی سبزہ بھی نہ آیا تھا کہ شیخ نظام الدین کے ارادتمندوں میں داخل ہو چکا تھا اسی پرورش پانے والے لڑکے کا نام بعد کو اخی سراج الدین ہوا، جس نے نظام الاولیاء کی خانقاہ سے نکل کر سارے بنگال میں آگ لگادی، ایمان وعرفان کا چراغ روشن کردیا، پنڈوہ کہ علاء الحق والدین جن کا آج سارا بنگال معتقد ہے، ان ہی اخی سراج عثمانؒ کے تراشیدہ ہیں۔(نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۱۶۵)

لیجئے حضرت گیلانی کے اس تبصرہ نے بنگال میں اشاعت علم واسلام کا تمام تر سہرا صرف ایک ایسے متعلم کے سر رکھا ہے جو نظام الاولیاء کی خانقاہ ومدرسہ کا ایک خادم بھی تھا اس لیے اس بنگالی داعی ومبلغ کی تعلیم پر بھی اچٹتی نظر ڈال لیجیے، چنانچہ حضرت نظام الاولیاء کے زیر اہتمام چلنے والے خانقاہی مدرسہ

کے ایک عالم مولانا فخرالدین زرادی بھی تھے ان سے حضرت اخی سراج نے صرف چھ ماہ میں ضروری علوم حاصل کیے اور پھر اسی مدرسہ کے دوسرے استاذ مولانا رکن الدین صاحب سے کافیہ، مجمع البحرین اور دوسری کتابیں پڑھیں''(آب کوثر ص ۳۰۴)

اور مولانا مناظر احسن کے بقول جب بنگال میں دعوت وتبلیغ کے لیے آدمی بھیجنے کا معاملہ درپیش ہوا تب حضرت اخی سراج کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا لیکن کیا یہ اتفاق تھا کہ جب ضرورت پڑی تو خواجہ نے اخی سراج کی تعلیم کا بندوبست کیا ورنہ تو وہ اصلا خادمِ خانقاہ تھے؟ نہیں بلکہ مولانا گیلانی ہی کے بقول وہ تو آئے تھے تعلیم ہی حاصل کرنے، اسی لیے جب وہ بنگال سے دلی پہنچے تھے تو کتاب وکاغذ کے سوا کوئی دوسرا سامان ان کے پاس نہ تھا البتہ خانقاہ پہنچ کر واردین وصادرین کی خدمت میں اس طرح مشغول ہوئے کہ لکھنے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا، (نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۱۸۸)

لیکن حضرت اخی سراج کی اس تعلیمی رپورٹ سے ان کے سلسلے میں کوتاہ علمی کا شبہہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کیوں کہ آج کل مدارس میں فن نحو کی کتاب ''ہدایۃ النحو'' جو پڑھائی جاتی ہے، ذرا پہلے اس کتاب کو سامنے رکھ لیجیے پھر فیصلہ کیجیے گا کہ اخی سراج کے اندر علمی تعمق وگہرائی کتنی تھی؟ کیوں کہ یہ آپ ہی کی تو تصنیف ہے اور اسی ذہن نے ایسی مفید کتاب کو تالیف کیا ہے جس نے صرف مجمع البحرین تک تعلیم پائی تھی''

الغرض حضرت اخی سراج الدین عثمانی لکھنوی (المتوفی ۷۳۰ھ) کی تبلیغی خدمات کو دیکھیے اور خواجہ نظام الدین کی تربیت پھر علاقۂ بنگال کے لیے آپ کے انتخاب کا جائزہ لیجیے تو کیا بنگال میں علم وعمل کے روشن میناروں سے مکتبی خدمات کا اعلان نہیں سنائی دیتا؟ جب کہ سچ تو یہ ہے کہ آپ نہ صرف بنگال کے محسن ہیں بلکہ پورے ہندوستان میں آپ کے فیوض وبرکات بکھرے پڑے ہیں، اسی لیے آپ کو آئینہ ہندوستان بھی کہا گیا ہے۔(اخبار الاخیار ص ۵۱/قسط ۲)

''مدرسہ گلبرگہ کی اصلاحی خدمات''

علاقۂ دکن کی اسلامی خدمات پر جب بھی کوئی مؤرخ قلم اٹھاتا ہے تو اس کے نوکِ قلم سے گلبرگہ کا ذکر بھی چھڑ ہی جاتا ہے، کیوں کہ حضرت سید محمد الحسینی الملقب بہ ''بندہ نواز گیسودراز'' نے اسی شہر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے رشد وہدایت کا وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے روشن کارناموں میں دکن کی خدمات بھی شامل ہوگئی ہیں، اس لیے کہ حضرت گیسودراز آپ ہی کے خادمِ خاص اور اجل خلیفہ تھے مگر افسوس کہ ان تمام خدمات کو محض طریقت کا رنگ دے دیا جاتا ہے، جب کہ اگر کوئی مؤرخ حضرت گیسودراز کو عظیم مصلح ومبلغ مانتا ہے تو اسے مدرسہ گلبرگہ کو ہرگز فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اسی کے صحن سے گیسودراز نے توحید ورسالت کے نغمے گنگنائے تھے اور وہیں سے آپ نے اپنے شاگردوں کو جماعتوں کی شکل میں روانہ کرکے بے پناہ اصلاح کا فریضہ انجام دیا تھا۔

حضرت بندہ نواز گیسودراز (المتوفی ۱۴۲۲ء) نے دہلی میں حضرت قاضی عبدالمقتدر تھانیسری جیسے فاضلِ یگانہ سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی پھر حضرت چراغ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت دہلوی نے اپنی وفات سے تین روز قبل خلافت عطا کی اور ۷۰۱ھ میں حضرت گیسودراز سفر دکن پر روانہ ہوگئے، چنانچہ مختلف مقامات پر رشد وہدایت کا گوہر لٹاتے ہوئے بالآخر گلبرگہ میں اقامت گزیں ہوگئے، پھر کیا تھا یہاں سے علم وعمل کی برسات ہونے لگی اور صرف اصلاحِ اعمال کی برکھا نہیں تھی بلکہ علمی جواہر پاروں کا سلسلہ بھی تھا اسی لیے آپ کی تصنیفات کل ایک سو پانچ بتائی جاتی ہیں، (آب کوثر ص ۳۷۰)

لیکن یہ سب تصنیفات کہاں بیٹھ کر ہو رہی تھیں اور کہاں سے عمل کی روح پھونکی جارہی تھی آخر کوئی جگہ تو ہوگی جہاں سے علم وعمل کے چشمے پھوٹ رہے تھے، مگر افسوس کہ تفصیل دستیاب نہیں، البتہ مدرسہ گلبرگہ کا ناقص تذکرہ ضرور ملتا ہے، جیسا کہ لکھا ہے ''احمد شاہ بہمنی'' نے اپنے پیر ومرشد سید محمد گیسودراز کے لیے گلبرگہ کے مضافات میں کسی مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا لیکن صحیح طور پر مقام کی تعیین نہیں ملتی'' (قدیم درسگاہیں ص ۶۵)

خیر یہ مولانا ابوالحسنات ندوی کی تحقیق تھی لیکن مصنف ''اولیائے دکن'' نے لکھا ہے کہ ''احمد شاہ بہمی'' نے حضرت کے لیے ایک خانقاہ تیار کرائی اور وہ خود بھی حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا (اولیاء دکن ج ۲ ص ۷۸۵)

اسی طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: نماز اشراق وظہر کے بعد علم حدیث وتفسیر، وسلوک و

کلام وفقہ میں متعدد طلبہ کو درس دیتے تھے، (اولیاء دکن ج ۲ ص ۷۹۰)

لہذا اب یہ طے ہوگیا کہ دکن میں گیسودراز کی خدمات کا مرکزی کردار اسی خانقاہ سے ادا ہوتا ہوگا جسے احمد شاہ بہمنی نے بنوایا تھا، اور جسے مدرسہ گلبرگہ کہہ کر بھی یاد کیا جاتا تھا۔

''مطلع ہدایت کے نیر تاباں''

دعوت وعزیمت اور رشد وہدایت کا میدان کچھ ایسا ہے کہ ہر دور کے رجالِ کار اور اصحابِ عزیمت علماء نے نشان مسابقت کو پار کر لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور ہر دور کے طلبۂ مدارس نے تحصیلِ فراغت کے بعد اصلاحی میدان کو سر کرتے ہوئے دعوت وارشاد کی نئی تاریخ مرتب کی ہے، لیکن بقول مولانا محمد میاں صاحب:

''دعوت کا مقام دوسرا ہے اور عزیمت دعوت کا دوسرا، لہذا ضروری نہیں کہ ہر راہرو کی یہاں تک رسائی ہوجائے، عہدِ ظہورِ دعوت میں ہزاروں اصحابِ علم وکمال موجود ہوتے ہیں مگر دروازہ کھولنے والا صرف مجدد العصر ہی ہوتا ہے، چنانچہ حضرت مجدد الفِ ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسماعیل شہید یہ تینوں بزرگ وہ ہیں جو محض دعوت نہیں بلکہ عزیمتِ دعوت کے مقام ومرتبہ پر فائز تھے'' (شاندار ماضی ج ۱ ص ۴۱۹ ملخص)

لہذا ہم بھی درمیانی سالوں کے مصلحین ومبلغین کی تمام تر کوششوں کو بصد خلوص سلام کہتے ہوئے آگے گذر جاتے ہیں کہ اگلی صدیوں میں ان تینوں اصحابِ عزیمت کے کردار بھی ماضی کے اسلاف کی مساعی میں شامل ہیں اور ان تینوں مجددین کی تجدیدی خدمات میں پہلے کے مبلغین کا بھی پورا پورا حصہ ہے،

''مدرسہ سیالکوٹ کا انقلاب آفریں متعلم''

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (المتوفی ۱۶۲۴ء، م ۱۰۳۴ھ) کے عہد کو اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ قرار دیتے ہوئے مولانا ندوی لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت ہندوستان جس میں دینِ فطرت کے شجرۂ طیبہ کے نصب اور بارآور کرنے کے لیے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں اور اہل قلوب وصفا کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

روحانتیں صرف ہوئی تھیں ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ رہا تھا جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانے کے متعدد ذہین وفاضل انسانوں کی علمی وذہنی کمک بھی حاصل تھی اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا ہوا" (دعوت وعزیمت ج ۴/ص ۱۳۲/)

مذکورہ اقتباس سے ہر قاری کو پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ دور کسیا سنگین اور اسلام کے لیے کتنا پرآشوب تھا۔ مگر "لکل فرعون موسیٰ" کا مقولہ بھی تو ہر دور میں دہرایا جانے والا ہے، لہٰذا جتنی شدت سے باطل نے سر اٹھا رکھا تھا اور فسادِ عمل کا جو تند و تیز طوفان چل رہا تھا، اس کا سر کچلنے اور سرکش ہواؤں کا رخ موڑنے کے لیے اسی قوت وطاقت کی شخصیت نے میدانِ عمل میں قدم رکھ دیا تھا، اس کی اصلاح وتجدید نے موج بلاخیز کا دھارا ہی تبدیل کر دیا اسی مبلغ و مصلح کو ہم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے نام سے جانتے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنے تربیت یافتہ متعلمین کو ملک و بیرونِ ملک ہر علاقہ کی ہدایت کے لیے پھیلا دیا جس کی تفصیل مولانا ندوی نے یوں فراہم کی ہے کہ:

"خلفاء میں سے ستر مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان روانہ کیے گئے، چالیس حضرات مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرت مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراسان گئے......اسی طرح ہندوستان میں بھی آپ نے خواجہ میر محمد نعمان کو دکن بھیجا، شیخ بدیع الدین کو سہارنپور پھر آگرہ میں متعین کیا، شیخ طاہر لاہوری کو لاہور کی طرف اور شیخ نور محمد پٹنی نیز عبدالحئی کو پٹنہ کی طرف امیرِ جماعت بنا کر روانہ کیا، شیخ طاہر بدخشی کو جونپور، شیخ حمید بنگالی کو بنگال کی ہدایت کے لیے متعین فرمایا گویا ہندوستان میں تو مشکل سے کوئی شہر ہوگا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی اللہ دینے والے موجود نہ ہوں، (دعوت وعزیمت ج ۴/ص ۱۶۰/ملخص)

اللہ اللہ کیا وطنِ عزیز کی پوری تاریخ ایسے داعی ومبلغ کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ جس نے ملک و بیرون ملک ہر جگہ اپنے طلبہ کی جماعتوں کا جال اتنی استقامت کے ساتھ بچھا رکھا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔

الغرض ان تمام تجدیدی خدمات کو اپنی جگہ رکھیے اور قلب ونظر کی گہرائیوں سے سوچیے کہ حضرت مجدد صاحب کو مجددِ عصر اور مبلغِ دوراں بنانے میں کسی مدرسہ کا کردار رہا ہے، یا نہیں تو تاریخ کی خاموش زبان سے یہ آواز سنائی دے گی کہ وہ مدرسہ "مدرسہ سیالکوٹ" تھا جس نے آپ کو صیقل کرنے میں بہت کچھ کردار نبھایا ہے گو کہ دوسرے مدارس سے بھی آپ نے تعلیم پائی تھی، مگر متوسطات سے لے کر منتہی کتابوں تک جس مدرسہ کی چہار دیواری میں آپ نے علوم حاصل کیے ہیں وہ مدرسہ سیالکوٹ ہی ہے جو اس زمانہ کا ایک بڑا علمی مرکز تھا، اور جس میں مولانا کمال کشمیری کے درس کا شہرہ تھا، جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء و مدرسین پیدا ہوئے ہیں، انہیں سے حضرت مجدد نے منطق وفسلسفہ اور علمِ کلام واصولِ فقہ میں کمال حاصل کیا اور حافظ بن حجر ہیثمی مکی کے شاگرد شیخ یعقوب کشمیری سے صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائلِ ترمذی اور دوسری کتب حدیث کی سند حاصل کی ہے، لہٰذا حضرت مجدد کے علوم ظاہری کا سہرا سیالکوٹ کے سر جاتا ہے، (دعوت وعزیمت ج ۴ ص ۱۴۵/ملخص)

یہ تھی حضرت مجدد کی تعلیمی زندگی لیکن افسوس کہ مدرسہ سیالکوٹ کی پوری تفصیل دستیاب نہیں چنانچہ مولانا ابوالحسنات لکھتے ہیں کہ: "ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ ملا عبداللہ اپنے والد ماجد کی جگہ شہر سیالکوٹ کے مدرسہ میں قائم مقام ہوئے مگر افسوس ہے کہ مدرسہ کے بانی، تاریخِ بنا اور دوسرے حالات کی تفصیل مجھے نہیں مل سکی، (قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۳۰)

بہرحال حضرت مجدد کے اندر پوشیدہ جوہر کو نکھارنے میں گو کہ حضرت باقی باللہ اور دوسرے شیوخِ طریقت کے سلوک وتصوف نے آخری کام کیا تھا مگر علم کے بغیر سلوک بھی تو معتبر نہیں، لہٰذا تجدید کی خدمات کا اولین رشتہ مدرسہ ہی سے جوڑنا چاہیئے پھر یہ کہ حضرت مجدد صاحب متعلم کے ساتھ ساتھ معلم بھی تو تھے چنانچہ آپ نے آگرہ میں، پھر مستقل طور پر سرہند میں تدریس کا مشغلہ اپنا رکھا تھا جیسا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے اس کی تصریح کی ہے (شاندار ماضی ج ۱/ص ۱۵۴-۱۵۸)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لہذا اس عظیم مصلح کی طالب علمی اور مدرسی دونوں زندگی کا اعتراف جب مؤرخین نے کر رکھا ہے تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے جتنی بھی جماعتیں، ہدایت کے واسطے روانہ کی تھیں ان میں وہی سب طلبہ ہوں گے جنہوں نے قیامِ سرہند کے دوران کسی بھی طرح استفادہ کیا ہوگا۔

''مدرسہ رحیمیہ دہلی کا عمومی فیضان''

برِصغیر کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بے نظیر کارناموں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اگر قدرت کے ہاتھو ں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں خاندانِ ولی اللہی کے ذریعہ باشندگانِ وطن کی دستگیری نہ کی ہوتی تو ملک کا نقشہ ہی آج سے یقیناً مختلف ہوتا اسی لیے مولانا ندوی لکھتے ہیں: کہ شاہ ولی اللہ صاحب سے اللہ تعالی نے تجدید و اصلاحِ امت کا جو عظیم الشان کام لیا ہے اس کی مثال معاصر ہی نہیں دورِ ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے'' (دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۱۳ر)

اسی طرح آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''شاہ صاحب کے ذریعہ اللہ تعالی نے ایسے متعدد عالی استعداد اور بلند ہمت وعزیمت والے کی تربیت کا کام لیا ہے جنہوں نے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا اور پوری ایک صدی سنبھالی''

اور ظاہر ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی تعلیم تو اسی خانگی مدرسہ میں ہوئی تھی جو آج بھی مدرسہ رحیمیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، چنانچہ مولانا ابوالحسنات لکھتے ہیں کہ دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی کا ہے (یہ شاہ ولی اللہ صاحب کے پدر بزرگوار ہیں) یہی مدرسہ تھا جس کی آغوش میں شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ اسماعیل وغیرہ علماء کرام پل کر جوان ہوئے اور آخر باری باری سے اس کے مسندِ درس پر متمکن ہوئے یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہائے ہند میں پھیلے'' (قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۲۹)

''مدرسہ غازی خاں دہلی''

ہمارے دور میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم کارناموں سے کسی کو انکار نہیں اس کے بانی ومحرک

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو دیکھتے ہوئے کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خود انہوں نے جہاں تعلیم پائی تھی اور ان کا علم جہاں پل کر جوان ہوا تھا احیائے اسلام کی اس عظیم تحریک دارالعلوم دیوبند میں حضرت نانوتویؒ کے مادر علمی کا بھی کوئی حصہ ہے، اگر آج کے فضلاء دارلعلوم کی خدمات کو دارالعلوم کی طرف منسوب کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے تو پھر قیامِ دارالعلوم کو بھی اس مدرسہ کی طرف نسبت دینے میں غالباً کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے جہاں حضرت نانوتوی نے تعلیم حاصل کی تھی۔

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کا دارالعلوم دیوبند اور فکرِ دیوبند پر جس قدر احسان ہے وہ کوئی پوشیدہ نہیں لیکن خود ان دونوں اکابر کی تعلیم کہاں اور کن سے ہوئی اس کے جواب میں سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی سے مدرسہ عربی دہلی میں آپ دونوں نے تعلیم حاصل کی ہے لکھا ہے کہ: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا مملوک علی کے ہمراہ ۱۲۶۰ھ کو دہلی پہنچے اور آپ کو مدرسہ عربی یعنی دہلی کالج میں داخل کر دیا گیا، (سوانح علماء دیوبند ج ۲ ص ۱۱)

چنانچہ حضرت نانوتوی اسی مدرسہ میں کافیہ سے لے کر آخر تک تعلیم میں مشغول رہے البتہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کا اپنے گھر واقع محلّہ کوچہ چیلان میں بھی تدریسی سلسلہ جاری تھا اور حضرت نانوتوی نے آپ سے گھریلو مدرسہ میں بھی خصوصی استفادہ کیا لہذا قیام دارالعلوم اگر مدرسہ غازی خاں سے کسی قدر علمی ارتباط رکھتا ہے تو وہیں مدرسہ لوچہ چیلان سے بھی اس کا خاص رشتہ اور لگاؤ ہے۔

مدرسہ غازی خاں کو بیشتر حضرات عربک کالج دہلی کے نام سے جانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ لفظ کالج سے بہت کچھ غلط تصورات بھی قائم ہو سکتے ہیں بلکہ غلط فہمی ہوئی بھی ہے اس لیے آیئے اس مدرسہ کی تاریخی حیثیت بھی دیکھتے چلیں لیکن سب سے پہلے یہ عبارت سامنے رکھئے کہ ''دہلی کالج شمالی ہندوستان میں انگریزوں کا قائم کیا ہوا سب سے پہلا بہت ہی باوقار اور اہم ترین تعلیمی ادارہ تھا الخ''

(سوانح علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۳۶)

گویا یہ مدرسہ انگریزوں کا قائم کردہ تھا مگر مصنف پر سوائے افسوس کہ اور کیا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ صریح تاریخی غلطی ہے اس بنا پر کہ یہ مدرسہ تو خالص ہندی مسلمانوں کا قائم کیا ہوا ہے، جیسا کہ مشہور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ادیب ومؤرخ مولانا اسیرادروی لکھتے ہیں کہ ’’یہ ایک مدرسہ تھا جو پہلے غازی الدین خاں کا مدرسہ کہا جاتا تھا اور اجمیری گیٹ کے بیرون واقع تھا مدرسہ میں عربی، فارسی کی تعلیم ہوتی تھی، مشاہیر اہل علم اس میں درس دیتے تھے، اور سارے اخراجات نواب غازی الدین خاں پورا کرتے تھے، جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا دہلی پر قبضہ ہوا تو ۱۸۲۵ء میں اس کو مدرسہ دہلی کا نام دے کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ انگریزوں کے تسلط سے قبل یہ مدرسہ صرف مشرقی علوم کا ایک مدرسہ تھا، اسی مدرسہ سے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی فارغ تھے، (مولانا قاسم حیات وکارنامے ص ۵۱-۵۲)

اسی کے ساتھ مولانا ابوالحسنات کی عبارت بھی دیکھئے کہ: ’’بہادر شاہ کے عہدِ حکومت میں ایک نیا مدرسہ قائم ہوا، جس کے بانی غازی الدین فیروز جنگ تھے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا، (قدیم اسلامی درسگاہیں ج ۲۷)

ان دونوں مؤرخین کے لحاظ سے یہ مدرسہ کسی انگریز کا نہیں بلکہ ایک ہندوستانی مسلمان کا قائم کردہ تھا البتہ اہل دکن کو اپنی اس خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہئے کہ نواب صاحب اسی دکن کے فرزند تھے چنانچہ لکھا ہے کہ ’’امیر غازی الدین نواب آصف جاہ بانی خاندان حیدرآباد دکن کے والد بزرگوار تھے امیر غازی الدین، اورنگ زیب عالمگیر کے ان محبوب معتمد امراء میں تھے جو دربار بہادر شاہی کے بھی معتمد رکن رہے، (قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۲۷)

الغرض دہلی کے اس مدرسہ کو مدرسہ غازی خاں یا عربک کالج کا نام دیجیے ہوگا وہ مدرسہ ایک ہندوستانی کا وہ بھی ایک دکنی نواب کا قائم کردہ جس کی آغوش میں حضرت نانوتوی کی پرورش ہوئی تھی لہذا تحریک دیوبند کے محرک حضرت نانوتوی کے اس بے مثال کارنامہ کو خود ان کے مادر علمی سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور دینی چاہئے اور ہم سب کے مادر علمی سے داعیان اسلام کی پیدائش میں مدرسہ غازی خاں کا بھی بھرپور حصہ ماننا چاہیے۔

’’دارالعلوم دیوبند‘‘

اللہ کے چند مقدس اور برگزیدہ بندوں نے اپنے ہاتھوں سے ۱۸۶۶ء، ۱۲۸۲ھ میں دیوبند کی

گمنام آبادی میں جو ننھا سا پودا لگایا تھا وہی پودا آج عالمِ اسلام کا ایک مشہور ومعروف مذہبی یونیورسٹی بن چکا ہے اور اس کے اصلاحی کارناموں کا ایک زمانہ معترف ہے اس لیے ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ افسوس ہے ہمیں ان کی عقل وخرد پر جو مدارس کو دعوت وتبلیغ سے علحدہ گردانتے ہیں، اور رونا ہے ان ذہنوں کا جن کی گہرائیوں میں یہ پیوست ہے کہ دعوت کا اصل کام تو موجودہ تبلیغی جماعت کر رہی ہے اس لیے مدارس کو بھی اس میں حصہ لینا چاہئے بھلا سوچیے کہ جن کی کوکھ سے خود تبلیغی جماعت نے جنم لیا ہے اور جن کے موسسِ اول بھی دبستانِ دیوبند ہی کی پیداوار ہیں نیز جن کی معمولی ٹھوکروں سے اصلاحِ امت کا وہ کارنامہ انجام پا رہا ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں مل سکتی آج انہیں مدارس وخانقاہ کے مدرسین ومرشدین سے دعوتی کارگذاریاں مانگی جارہی ہیں حالانکہ مدارس ہی کے صحن میں پرورش پانے والوں کے ذریعہ آج پیغام محمدی

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے

اور انہیں مراکز سے وہ تمام عہد ساز شخصیات پیدا ہوئی ہیں جن کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند وجولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ وبالا

مگر افسوس کہ غیروں نے اگر مدارس کے خلاف محاذ آرائی کر رکھی ہے تو خود ہمارے بھائی بھی مدارس سے عملا کترانے لگے ہیں اس لیے دل خون کے آنسو رو رہا ہے کہ

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

☆☆☆

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اصلاح معاشرہ

مسلمان اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں

مولانا اسرار الحق قاسمی
صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، ذاکر نگر نئی دہلی-۲۵

اکثر مواقع پر جی چاہتا ہے کہ اپنی قوم کے افراد خصوصاً مسلم نوجوانوں میں در آنے والی معاشرتی برائیوں پر کچھ لکھا جائے، لیکن بعض موسمی موضوعات کے سبب ایسے عنوانات چھوٹ جاتے ہیں، اس امر کا تجربہ یقیناً سبھی کو ہوا ہوگا، کہ اکثر لوگ وعدہ کرتے ہیں، اس کو پورا نہیں کرتے۔ ایسی باتیں زبان سے ادا کرتے ہیں کہ جن پر خود عمل نہیں کرتے، اور ایسی باتیں بھی نادانستگی میں کہہ جاتے ہیں کہ جن سے ایمان کے زیاں کا خطرہ ہو جاتا ہے، یہ وطیرہ تو عام ہے کہ لوگ زبان سے ملنے جلنے والوں کی خوب دل آزاری کرتے ہیں، اور اس کے عواقب وعوامل پر غور نہیں کرتے۔ قرآن اخلاقی اوصاف پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، سب سے بڑا وصف زبان وبیان کی درستگی ہے، شائستہ زبان استعمال کرنے سے بڑے بڑے مصائب ٹل جاتے ہیں، اور ناشائستہ زبان استعمال کرنے سے آلام میں مبتلا ہو جاتا ہے، زبان جھوٹ بھی بولتی ہے اور سچ بھی، مگر دونوں کے مرتب اثرات مختلف ہوتے ہیں، زبان کوئی بری بات کہے تو اس کا خمیازہ ''صاحب زبان'' کو بھگتنا پڑتا ہے، زبان کوئی اچھی بات کہے تو اس کا فائدہ پورے انسانی وجود کو پہنچتا ہے، گویا زبان پورے انسانی وجود کو مصائب میں بھی مبتلا کر سکتی ہے اور سکون ونفع بھی بخش سکتی ہے، زبان یا تکلم انسان کے پورے مزاج، اس کے اخلاق، اس کی عادات واطوار کا آئینہ دار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے معاملات کی اچھائی اور برائی کا مظہر بھی زبان ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم نے اس سلسلہ میں ابتدائی طور پر کہا ہے: ''کہ ہر بولنے والے کا ایک نگراں ہوتا ہے'' یعنی انسان اپنی زبان سے جو کچھ بھی ادا کرتا ہے ایک لکھنے والا اس کو فوراً لکھ لیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا ایک ریکارڈ تیار ہو رہا ہے، وہ جو کچھ بولتا ہے قیامت میں وہ سب اس کے سامنے ہوگا، قرآن کی زبان میں ہر شخص کے ساتھ موجود لکھنے والوں کو کراما کاتبین کہا گیا ہے، یعنی انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں، دونوں اس کے افعال واقوال کا ریکارڈ تیار کرتے رہتے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کو عقیدہ کے اعتبار سے اس امر کا ادراک رہنا چاہئے، کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اور خصوصا جو کچھ کہہ رہا ہے اسے مقررہ فرشتے نوٹ بھی کر رہے ہیں، اگر یہ احساس رہے گا تو برے کاموں اور بری باتوں سے انسان خود رکے گا، یہ احساس جاگزیں نہ ہوگا تو بظاہر کوئی طاقت نہیں کہ انسان کو برے کاموں اور بری باتوں سے روک دے۔

زبان کا ایک استعمال وعدہ کرنے کی شکل میں ہوتا ہے، اب اس وعدہ کو پورا کرنا اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا انسان کی اپنی قوتِ ارادی، اس کے دل ودماغ اور اس کے دیگر حواس کی ذمہ داری ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بلا خوف وخطر بڑے بڑے وعدے کر لیتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ حدیث میں ایسے افراد کے لیے سخت وعید بیان کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ مومن وہ ہے کہ جب وعدہ کرے تو اس کو پورا کرے، ایسا شخص جو وعدہ پورا نہ کرے، امانت دار نہیں ہوسکتا، ایسا شخص خیانت کرنے کو برا نہیں سمجھتا، قرآن کہتا ہے کہ:

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کی امانتیں ادا کرو'' آج لوگ قرض تو بڑی لجاجت وتقاضہ سے مانگ لیتے ہیں مگر اس کی ادائیگی یا تو بالکل ہی نہیں کرتے یا وقت مقررہ پر نہیں کرتے۔ اسلام کی نظر میں یہ قابلِ گرفت بددیانتی ہے، ایسا شخص بدمعاملہ ہوتا ہے، اور ایسے شخص کے ایمان میں کھوٹ ہوتا ہے۔

زبان کا ایک استعمال دوسروں کی دل آزاری کے لیے بھی کیا جاتا ہے، قرآن نے اس امر سے ممانعت کی ہے اور تالیفِ قلوب یا دوسروں کی دل داری کا حکم دیا ہے، عربی کا ایک مقولہ ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تیر سے دیا گیا زخم بھر سکتا ہے مگر زبان سے دیا گیا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ یہ مرض عام ہوگیا ہے، لوگ بلاتحقیق دوسروں کے تعلق سے ایسی باتیں کردیتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ایسے افراد کے بارے میں قرآن میں سخت وعید آئی ہے، ایسے لوگوں کو اتہام باز اور خائن قرار دیا گیا ہے، ایسے لوگوں کی مثال ان سے دی گئی ہے، جو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتے ہوں، صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ''اے ایمان والوں! بہت سی (بد) گمانیوں سے بچو، اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے، اور کسی کی ٹوہ مت لو اور ایک دوسرے کے سامنے ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے''

ہمارے وطن عزیز میں سیاست دانوں اور فرقہ پرستوں نے دل آزاری کی بدترین قسم اختیار کر رکھی ہے، لازمی نہیں ہے کہ مسلمان بھی اس مہم کا حصہ بن جائیں، ممبئی کا ایک کاغذی شیر عرصہ تک مسلمانوں کو لعن وطعن کرتا رہا، جب تک اس کو جواب ملا اس کی شدت باقی رہی مگر جب مسلمانوں نے اس کو نظر انداز کردیا تو اس کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہوگیا، آج اس کی زہر میں بجھی ہوئی زبان بند ہے، اب یہ ذمہ داری گجرات کے ایک فرقہ پرست ڈاکٹر نے اٹھا رکھی ہے، مسلمان جب اس کا جواب دیں گے تو وہ مزید بھڑکے گا، جتنا وقت اس کی باتوں کا جواب دینے میں لگایا جائے اگر اتنا وقت خود اپنی اصلاح میں صرف کردیں تو بے شمار فائدے ہوں گے، مسلمان اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان سے روز محشر ہر چیز کے متعلق سوال ہوگا، جتنی جواب دہی کا سامنا ان کو کرنا پڑے گا کسی دوسری قوم کو اتنا نہیں کرنا پڑے گا، قرآن میں مذکور ہے، جس کا مفہوم یہ ہے ''قیامت کے روز ان سے کہا جائے گا، کہ یہ ہمارا ریکارڈ ہے جو (تمہارے متعلق) تم پر سچ سچ بیان کرتا ہے، بے شک جو کچھ تم کرتے تھے ریکارڈ کرلیا کرتے تھے''

یہ دنیا جب تک بھی باقی ہے، ایک دن تو اسے فنا ہے، انسان خود دیکھتا ہے کہ مختلف عمروں میں لوگ فوت ہوجاتے ہیں، پرانے لوگ مرتے جاتے ہیں نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں، مگر ایک دن پیدائش کا عمل رک جائے گا اور سب کو ایک ساتھ موت آجائے گی، جب یہ دنیا ناپائیدار ہے تو

زندگی کو بلا مقصد جینے کا کیا فائدہ؟ جتنی بھی زندگی ہے اس کو بامقصد طور پر گزار لیا جائے اور عاقبت کی فکر کی جائے۔ ذکر زبان پر کنٹرول کا چل رہا تھا، واقعہ یہ ہے کہ انسان کے پورے معاملات کا دل کے بعد زبان پر ہی انحصار ہوتا ہے، حضرت عمرؓ اپنی زبان کو پکڑ کر روتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ یہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا کہیں میری گرفت نہ کرادے، آج عالم یہ ہے کہ مسلمان گھنٹوں ہرزہ سرائی، غیبت واتہام اور فضول باتوں میں صرف کردیتے ہیں اور ان کو احساس تک نہیں ہوتا کہ انہوں نے کتنا نقصان کرلیا ہے؟

قارئین متوجہ ہوں

انشاء اللہ شمارہ: ۶ ''مدرسہ وخانقاہ'' نمبر شائع ہوگا، امید ہے کہ ہمارا یہ نمبر بھی دیگر نمبروں کی طرح دستاویزی اور شاہکار ہوگا، اور قارئین کو پسند آئے گا،

قارئین پہلی فرصت میں ایک کارڈ لکھ کر اپنا نام بک کرالیں۔

اہل قلم حضرات سے گذارش ہے کہ اس موضوع پر اپنی نگارشات ہمیں ارسال فرمائیں، البتہ اس کا لحاظ رہے کہ مضامین علمی، سنجیدہ اور مثبت ہوں

ادارہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تصوف

خدا سے پھر وہی قلب ونظر مانگ

مولانا محمد ارشد اعظمی

''امام غزالیؒ کا حال سنیے''

سب چھوڑ چھاڑ کر ایک کملی پہن کر بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کر دی۔ سخت مجاہدات وریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی، یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے، لیکن ؎

بیاد آر حربفان بادہ پیمارا

کے لحاظ سے افادۂ تمام پر نظر پڑی، دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، امیر، غریب، عوام وخواص، عالم وجاہل رندوزاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، علماء جو دلیلِ راہ بن سکتے تھے طلبِ جاہ میں مصروف ہیں یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے۔ (تحریر علامہ شبلی نعمانیؒ)

چنانچہ امام غزالیؒ مسند ارشاد سے یوں گوہر افشاں ہوئے: میں نے دیکھا کہ (جھوٹ، مکر فساد، ظلم وزیادتی، عبادات سے لاپرواہی، اللہ تعالی کی نافرمانی کے) مرض نے تمام عالم کو چھپالیا ہے، اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہو چکی ہیں، علماء جو دلیلِ راہ تھے، زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے، جو رہ گئے ہیں وہ نام کے عالم ہیں، جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے، اور انہوں نے تمام عالم کو یقین دلا دیا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے۔

(۱) مناظرہ (۲) وعظ وپند (۳) فتوی دینا۔ باقی آخرت کا علم عالم سے ناپید ہو گیا ہے، اور لوگ اس کو بھلا چکے ہیں، (امام غزالیؒ)

احساس وشعور کے فقدان، اخلاق کی انتہائی گراوٹ کو دیکھ کر امام غزالیؒ کو ''مہر سکوت'' توڑنا پڑا، ایک طرف تو علماء کو ذمہ دار ٹھہرایا اور دوسری طرف بادشاہ وسلاطین کو بے خوف وخطر لکھا کہ:

''ہمارے زمانے میں سلاطین کی جس قدر آمدنی ہے اس کا اکثر یا قریب کل، حرام ہے اور کیوں حرام نہ ہو؟ حلال آمدنی زکواۃ اور مال غنیمت کے پانچویں حصہ کی ادائیگی سے بنتی ہے، اس زمانہ میں اس کا وجود ہی نہیں صرف ٹیکس رہ گیا ہے، وہ ایسے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا جاتا ہے کہ جائز اور حلال نہیں رہتا۔ (احیاء العلوم)

اس کے بعد امام غزالیؒ نے برسر منبر عوام وخواص کو خبردار کیا کہ: ''انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے''

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغصوب ہوتے ہیں اور زمین مغصوبہ میں قدم رکھنا گناہ ہے، دربار میں پہنچ کر سر جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے، اور ظالم کی تعظیم کرنا گناہ ہے۔

دربار میں ہر طرف جو چیزیں نظر آتی ہیں یعنی پردہ ہائے زرنگار، لباسیات ریشم دار، سونے چاندی کے برتن، یہ سب حرام ہیں اور ان کو دیکھ کر چپ رہنا داخل معصیت ہے، نتیجہ یہ کہ آخر میں ظاہراً بادشاہ کی جان ومال کی سلامتی کی دعائیں مانگنی پڑتی ہے' (احیاء العلوم)

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ:

''مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیے ہیں اسی لیے اللہ تعالی نے کافروں (ظالموں) کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔ (نافع السالکین)

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمت آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلایا انہوں نے، پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے اعمال کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بدلے۔(پ:۹/ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی ہم کو اپنے بندوں سے کوئی ضد نہیں، جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ انہیں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے (ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے) اور حق کے سامنے گردن جھکا دیتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقوی کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالا مال کر دیتے۔(فوائد عثمانی)

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، شیخ اکبر ابن عربیؒ کے معاصر تھے، اخیر عمر میں شیخ سہروردیؒ کی شہرت ممالک اسلامیہ میں دور، دور تک پھیل گئی تھی۔

علامہ ابن خلکانؒ نے تو برملا صاف طور سے کہا کہ:

''اخیر عمر میں شیخ سہروردیؒ کے معاصرین میں کوئی آپ کا مثیل و ہم پایہ نہ تھا، اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تسلیم کیے گئے۔(وفیات الاعیان)

امام، محدث، علامہ، تاج الدین سبکیؒ کو حضرت سہروردیؒ کے تذکرے میں وجد و سرور آ گیا، بول پڑے کہ:

''حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، فقیہ، فاضل، عارف، کامل، زاہد، متورع، اور علم حقیقت میں اپنے وقت کے شیخ اور امام جلیل تھے، مریدین و طالبین کی تربیت، خلق کی خالق کی طرف دعوت، مخلوق کی رشد و ہدایت، تکمیلِ سلوکِ سالکاں اور تعلیم و تلقین، طریقِ عبادت و خلوت آپ پر ختم تھی۔(طبقات امام سبکیؒ)

شیخ سعدیؒ کی وہ شخصیت ہے جنہوں نے دنیا کے کونے کونے کی سیاحت فرمائی تھی مگر جب آپ کو مرشدِ کامل کی تلاش ہوئی تو شیخ سہروردیؒ ہی کے آستانہ کی طرف دوڑے۔

شیخ سعدیؒ نے شیخ شہروردیؒ کی اصلاح و تربیت کا خلاصہ و نچوڑ بڑے مؤثر دل نشیں انداز میں نقل فرمایا ہے، کہ: ''کبھی ''خود بیں''، یعنی اپنی ہی خوبیاں دیکھنا اور تلاش کرنا اور اس پر اترانا ایسا نہیں بننا چاہئے، اور کبھی ''بدبیں'' دوسروں کے عیوب تلاش کرنا اور اس کے پیچھے پڑ جانا ایسا

بھی نہیں ہونا چاہئے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ:

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو انداز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباشی — دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

مشہور ہندوستانی مؤرخ علامہ ضیاء الدین برنیؒ جب محبوبانِ بارگاہِ الٰہی اور جامِ توحید کے متوالوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو محبّ کے مئے ناب سے سرشار ہو جاتے ہیں، ذرا دیکھئے کس قدر مسرور و بیخود ہو کر خامہ ریز ہیں کہ: ''سبحان اللہ؛ عجیب دن و عجیب زمانہ تھا، جو علامہ علاء الدین خلجی کی حکومت کے آخری دس سال میں نظر آیا۔

یعنی ایک طرف تو سلطان نے اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی و اصلاح کے لیے تمام نشہ آور چیزیں ممنوعات اور فسق و فجور کے تمام اسباب ان سب کو جبر و قہر اور تشدد و سخت گیری کے ذریعہ روک دیا تھا۔

اور دوسری طرف انہیں دنوں میں شیخ الاسلام محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء نے عام بیعت کا دروازہ کھول رکھا تھا، گنہگاروں کو توبہ کراتے اور صوفیانہ خرقہ عطا فرماتے تھے اور خود اس طرز کو قبولیت عامہ عطا کر دی تھی جس سے ایک پاکیزہ معاشرہ اور روحانی و ایمانی ماحول ظہور پذیر ہو گیا تھا، اور ہر طرف اللہ اللہ کی صدائے دلنواز ہوتی تھیں، اللہ جل شانہ کا فضل عام ہو گیا تھا،

(منتخب از تاریخ فیروز شاہی)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ:

''پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کا کمال دیکھو کہ جس کام کی اوروں سے درخواست کی پہلے خود عمل میں لاتے تا کہ دوسرے لوگ عملی طور پر اس کا اظہار کریں، اور اس میں آپ کی فرمانبرداری کریں، ایسے شخص سے یہ بات کیونکر متصور ہو سکتی ہے، کہ خود نہ کرے اور غیر کو کرنے کا حکم دے۔

اپنے مرشد کے اس ارشادِ گرامی پر حضرت امیر خسروؒ نے کیا خوب فرمایا کہ:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''جو واعظ اور نصیحت گو، ایسی بات کی لوگوں کو نصیحت کرے کہ خود اس پر عامل نہ ہو تو خلق خدا ایسے شخص کو شمار میں نہیں لاتی۔ (سیر الاولیاء)

بزرگانِ دین کے یہاں جس چیز کو ''تاثیر نظر'' کہا جاتا ہے، وہ ان حضرات کے اندر اخلاص اور عمل ہی سے پیدا ہوتی اور یہ راز معلم اخلاق رحمت عالم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور طرز زندگی سے سیکھا اور حاصل کیا ہے، حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا: مدنی آقا ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟

''فرمایا کہ: تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کان خلقه القرآن، یعنی اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں جو کچھ بتلایا اور سمجھایا ہے اور سیرت پیش فرمائی ہے وہ بالکل حقیقت بن کر حامل قرآن کی منور شخصیت میں بصورت عمل جلوہ گر تھی''

جو بندگانِ خدا اپنے کو اس منزل سے گذار رہے ہیں، ان کے یہاں ''تاثیر عمل'' و تاثیر نظر ''پوری طرح ضیاء بیز اور کرن بار نظر آتی ہے، چونکہ وہ بباطن خدا کے حضور حاضر اور بظاہر بندوں میں شامل ہوتے ہیں، ان کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے، کہ ان کی شمشیر نظر کا گھائل بچتا نہیں ہے بلکہ ان کے گیسوئے تابدار میں اسیر و گرفتار ہو ہی جاتا ہے، پھر من جانب اللہ اس پر نظر عنایت ہونا شروع ہو جاتی ہے، افلاک سے کھینچی جاتی ہے، سینوں میں اتاری جاتی ہے، توحید کی مئے ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے۔ سلطان بہلول لودھیؒ نے دہلی کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد جون پور کی تسخیر کا قصد کیا، دیار پورب شیراز ہند جون پور کے فرمانروا سلطان حسین کو معلوم ہوا تو اس نے مردِ حق آگاہ عارف باللہ بزرگ و باکرامت ولی حضرت شیخ محمد عیسیٰؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو مطلع کیا، شیخ نے فرمایا:

''قاصد محروم و مقہور است''.....اسی طرح اس کا قصد کرنے والا محروم و نامراد و مغلوب ہوگا،

اس کے بعد بہلول لودھی کی جون پور کی طرف پیش قدمی سے پہلے ہی خود سلطان حسین اس سے جنگ کرنے کے واسطے نکل پڑا اور قنوج کے میدان میں شکست کھائی، ﴿بقیہ صفحہ ۲۰ پر﴾

پریشان خیال

مثبت و منفی کا معیار

شاہین صحرائی

میرے گاؤں میں ایک صاحب تھے، اکثر لوگ ان سے نالاں رہتے تھے، کوئی ان کے یہاں جانا پسند نہیں کرتا تھا، وہ روزانہ معمول کے مطابق اپنے مکان کے مسقّف چبوترے پر بیٹھے حقہ گڑگڑاتے رہتے اور منہ سے اور ناک سے لمبے لمبے دھویں چھوڑتے رہتے کبھی کبھی دور دراز سے کچھ لوگ ان کی ملاقات کے لیے آجاتے، لیکن گاؤں کے لوگ بہت کم جاتے تھے، میں نے جب ہوش کی آنکھیں کھولی تو مسجد آتے جاتے اکثر ان کو اپنے معمول کے مطابق چبوترے پر بیٹھا ہوا پایا، میری طبیعت ان کی طرف کھینچتی تھی، ان کے پاس جانے کو جی چاہتا مگر عمر کا فرق، وہ بوڑھے، میں بچہ نیز وہ رعبیلے شخص تھے، ہر کس و ناکس ان سے بات نہیں کرسکتا تھا، اس لیے ہمت نہیں ہوئی، کہ ان کے پاس جاؤں، لیکن اکثر میں سوچا کرتا تھا کہ میں تو بچہ ٹھہرا، لیکن گاؤں میں ان کی عمر کے لوگ ان کے پاس جا کر کیوں نہیں بیٹھتے؟ وہ تو بڑے قابل شخص ہیں، اور دور دور سے لوگ ان سے ملنے کو آتے ہیں، میں نے ان کو انتہائی پابندِ شریعت پایا، معاملات کے بھی بہت صاف تھے، کسی نے ان کی نیکی یا دیانت پر انگلی نہیں اٹھائی، پھر لوگ ان سے ناراض کیوں ہیں؟ ان سے ملنا کیوں پسند نہیں کرتے؟ ان میں کوئی عیب بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے نفرت کی جائے، میں نے بہت سوچا مگر گتھی نہیں سلجھی، ایک بچہ کا شعور ہی کیا؟ اور اس کا معیارِ تحقیق ہی کیا؟.....جب عمر تھوڑی اور بڑھی، کچھ اور بڑے لوگوں سے شناسائی ہوئی تو میں نے یہ سوال جو برسوں سے میرے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ذہن ودماغ میں پک رہا تھا کچھ لوگوں سے کرڈالا، بعض نے تو میرے سوال کو بچکانہ سمجھکر ٹال دیا، لیکن بعض لوگوں نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی، سب کی گفتگو کا جو حاصل تھا وہ آج تک میرے لاشعور میں محفوظ ہے، وہ تھا کہ یہ شخص منھ پھٹ اور صاف گو ہے، حق بات کہنے میں کسی کی رورعایت نہیں کرتا، مثبت اور تعمیری سوچ نہیں رکھتا، ہمیشہ منفی بات کرتا ہے، صلح کل کا مزاج نہیں رکھتا، حق وناحق میں امتیاز کرتا ہے، حالانکہ آج کا دورمل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کی خامیاں نظرانداز کرنے کا ہے، انسان کو چاہئے کہ اپنے کام سے کام رکھے، دوسروں کے عیوب ونقائص کے پیچھے نہ پڑے، دنیا میں کون ڈوب رہا ہے؟ کون جان کنی کی کیفیت میں ہے؟ کس کی شخصیت کون سی کمزوری گھن کی طرح کھارہی ہے؟ کس کو کس انداز میں رہنا چاہئے؟ اس شخص نے دنیا جہان کے ہزار مسئلے پال رکھے ہیں، کسی کو کوئی دکھ مصیبت ہوا سے اپنی مصیبت بنالیتا ہے، کسی نے کسی پر ظلم کیا اس ظلم کو روکنا اس نے اپنا خبط بنالیا ہے، کسی نے کوئی غلط بات کہ دی اس کی تصحیح واصلاح اپنا فرض سمجھتا ہے، انہیں چیزوں نے ساری دنیا کو اس کا دشمن بنادیا ہے،.....میں ان بڑے لوگوں کی باتوں کا جواب تو نہیں دے سکا، البتہ میں سوچنے لگا کہ آیا اس شخص کو حق گوئی کی سزا مل رہی ہے، حق گوئی اور حق شناسی آج بہت بڑا گناہ ہے، حق شعاری اور حق پسندی اس دور میں منفی رجحان کے ہم معنی ہے۔

آج جب کہ یہ واقعہ اور وہ شخص داستانِ ماضی بن چکے ہیں، اب نہ عمل والا شخص باقی رہا اور نہ ردعمل والے لوگ وہ تمام بوڑھے بزرگ لوگ جو ان کے موافق یا مخالف تھے ایک ایک کرکے سرائے فانی سے کوچ کرچکے ہیں.....کل کے بچے آج سوچنے کے قابل ہوگئے ہیں، اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ کتنا مظلوم تھا وہ شخص اور کتنا بے انصاف تھا وہ سماج، اس شخص نے مظلوموں کا ساتھ دے کر خود مظلوموں کی صف میں جا کھڑا ہوا، اور سماج نے ظالموں کی طرفداری کرکے اپنے نامۂ اعمال خراب کیا۔

میرے خیال میں دونوں طرف کچھ نہ کچھ افراط اور تفریط ہے، دوسروں کا درد اپنا درد بنالینا مظلوموں کا ساتھ دینا، حق بات کہنا، کسی کو صاف صاف سنادینا یقیناً ایک نیک جذبہ ہے، لیکن

اس کی وجہ سے انسان خود پریشانی میں پڑجائے اور دوسروں کی آفتیں دور کرتے کرتے خود مبتلائے آفات ہوجائے، یہ مقامِ عزیمت ہے، عام لوگوں سے یہ مطلوب کیا محمود بھی نہیں، پھر اس میں دینی اور شخصی معاملات میں فرق کرنا ہوگا، شخصی مسائل میں انسان اپنی شخصیت کو محفوظ رکھتے ہوئے دوسرے پر اثرانداز ہوسکے جب ہی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے، اگر ذاتی طور پر خود اس کو خطرات پیش آسکتے ہوں تو اپنی ذات کا تحفظ مقدم ہے، دوسرے کی خاطر اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں، البتہ دینی معاملات اور اجتماعی مسائل میں انسان پر یہ ذمہ داری آتی ہے کہ وہ ان کے لیے یہ ممکن اقدام کرے، اور اگر کسی جماعت یا فرد میں کوئی کمزوری محسوس ہوتو اس کی اصلاح کے لیے اپنی وسعت کے بقدر آگے بڑھنا ضروری ہوجاتا ہے، وسعت سے زیادہ یہاں بھی مطلوب نہیں، لیکن وسعت کے بقدر دینی مسائل میں چشم پوشی، یا اخفائے حق ہرگز جائز نہیں، اس باب میں کسی تنقید وملامت کی پرواہ نہیں کی جائے گی، اس کے لیے فقہاء نے جو مقاصدِ شریعت متعین کیے ہیں، ان میں نمبر ایک پر دین ہے، دین کے بعد ہی درجہ ہے جان اور مال اور دوسری چیزوں کا، زندگی کی ساری صلاحتیں صرف کردی جائیں، اور ان میں دین کا حصہ نہ ہوتو ساری صلاحتیں بیکار ہیں، زندگی تو عبارت ہی ہے خدمت دین سے اس موقعہ پر چشم پوشی یا صلح کل کی پالیسی قطعی جائز نہیں اس موقعہ پر لوگوں کو حضرت صدیق اکبرؓ کا اسوہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے، جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اختیار فرمایا تھا، معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف اس قسم کی شدت یا صلابت منفیت نہیں ہے بلکہ نہی عن المنکر ہے، جو اسلام کا اہم ترین رکن ہے، زیادہ تر لوگ مثبت ومنفی کا فرق نہیں جانتے، اور ہر شدت یا صلابت کو منفی سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ انداز کی قوت، اور لب ولہجہ کی شدت سے کام میں قوت آتی ہے، بعض موقعوں پر امر بالمعروف سے زیادہ نہی عن المنکر، اور علاج سے زیادہ پرہیز کی ضرورت پڑتی ہے، دوا اسی وقت کام کرتی ہے جب فاسد مادہ آپریشن کرکے جسم سے نکال دیا جائے، یہی وہ فلسفہ ہے جس کے لیے اسلام نے امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا حکم دیا، اور برائیوں کو نظرانداز کرنے پر وعید سنائی گئی، برائیوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کونظر انداز کرنا خود اپنے اندر چھپے ہوئے روگ کو ظاہر کرنا ہے، جس معاشرہ میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا عمل انجام نہیں پاتا وہ رجائی بن جاتا ہے، اور جس میں نہی عن المنکر کے ساتھ امر بالمعروف نہیں ہوتا وہ قنوطی بن جاتا ہے، اسلام میں رجائیت اور قنوطیت دونوں میں سے کسی کی گنجائش نہیں ہے، اسلامی معاشرہ میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ضروری ہے، ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی لازم ہے، جولوگ صرف ترغیب پر عامل ہیں وہ بھی انتہا پرست ہیں، اور جولوگ صرف ترہیب پر عمل پیرا ہیں وہ بھی، ان دونوں انتہاؤں کے بیچ مطلوبہ طرز عمل وہ ہے جس میں ترغیب وترہیب اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا امتزاج ہو، نہی عن المنکر یا ترہیب کو منفیت آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ اس کو منفی کا نام دیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ منفی کا مفہوم نہیں جانتے، منفی نام ہے خلاف موقعہ یا بعد از وقت کام کرنے کا، وقت گذر جانے کے بعد جب عمل کی افادیت جاتی رہے، پھر بھی وہی کرنا منفیت ہے، وقت پر کام کرنا نہی عن المنکر ہے، پانی سر سے اونچا ہونے سے قبل اس سے چوکنا کرنا، اور بچنے کی تدبیریں کرنا ''ترہیب'' ہے، پانی سے سر اونچا ہو جائے، اور سب کچھ ڈوب جانے کے بعد شور مچانا منفیت ہے، وقت گذر جانے کے بعد ردعمل پرانی قبر کھودنے کے مترادف ہے، آج بالعموم لوگ اس فرق سے واقف نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دین اور احکام دین کی روح ومزاج سے واقف نہیں ہیں، وہ مدارج احکام کو نہیں جانتے، کہ کس حکم کا درجہ کیا ہے اور کس کا کیا موقعہ ہے،؟ وہ لب ولہجہ یا طرز عمل کی شدت کو بڑی تیزی کے ساتھ محسوس کر لیتے ہیں، مگر اس کے اندر چھپی ہوئی معنویت اور جذبہ اور موقعہ کی نزاکت نہیں محسوس کر پاتے، کاش اس درد کو رکھنے والے دو چار لوگ تو ہوں، کاش، اے کاش۔

اقبالؔ اپنا محرم کوئی نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

☆☆☆

شخصیات

حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری

مولانا اختر امام عادل قاسمی
(ابن حفید رشید حضرت آہؒ)

حضرت مولانا محمد عبدالشکور مظفر پوری آہ اپنے عہد کے بلند پایہ عالم دین، مشہور ومعروف خطیب اور نامور شاعر وادیب تھے، شاعرانہ تخلص ''آہ'' کرتے تھے، ان کی پیدائش شہر مظفر پور میں ہوئی، تاریخی نام ''ظفر احسن'' ہے، جس سے ان کی سن ولادت ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء نکلتی ہے، اور تاریخ وفات خود حضرت آہ ہی کے ایک مصرعہ سے نکلتی ہے،

خاک میں مل کر ملیں گے حق سے واہ
۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء (مجموعہ کلام آہ سے ماخوذ)

''خاندانی حالات''

آپ کے والد ماجد مولانا نصیر الدین نصرؔ ایک جید عالم دین، انگریزی زبان کے ماہر اور اردو کے اچھے شاعر تھے، وہ ضلع اسکول مظفر پور میں ہیڈ مولوی تھے، اور وہاں سے ریٹائر ہونے پر طباعت کا شغل اختیار کیا، (ماسٹر محمود احمد فرزند حضرت آہ کی ڈائری سے ماخوذ)

مولانا اصغر علی صاحب، عرف داتا کمبل شاہ مظفر پوران کے رفیق درس تھے، حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ نے آپ ہی کے زیر تربیت ونگرانی رہ کر مظفر پور اور کانپور وغیرہ میں تعلیم حاصل کی، افراد سازی اور تعمیر اشخاص میں ان کو خاص دخل تھا،

(مولانا نصیر الدین نصرؔ کے ایک غیر مطبوعہ خط سے ماخوذ)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا عبدالشکور آہ کے جدامجد کا نام ''مولانا شاہ عبداللہ'' تھا کہا جاتا ہے کہ وہ سرحد کی طرف سے ہجرت کر کے مظفر پور آئے تھے، ان کے تفصیلی حالات کا علم نہیں ہے،

حضرت آہ کے ایک حقیقی بھائی حکیم عبدالغنی تھے، وہ پٹنہ میں مطب کرتے تھے، محلّہ لال املی میں ذاتی مکان تھا، ان کا انتقال ۱۹۶۰ء میں ہوا، ان کو کوئی لڑکا نہیں تھا، صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی پٹنہ ہی میں ہوئی۔ حضرت آہ کے دوسوتیلے بھائی بھی تھے، ایک مولوی عبدالحمید وکیل، دوسرے مولوی محمد سعید، مولوی محمد سعید کی تعلیم ایم اے تک تھی، انگریزی اور ریاضی کی لیاقت اس قدر اعلیٰ تھی کہ بہت کم لوگ ان کی برابری کر سکتے تھے، وہ پٹنہ میں رینگلو مسلم اسکول میں ٹیچر تھے، ان کا انتقال بھی پٹنہ ہی میں ہوا، ان کو کوئی اولاد نہیں تھی۔

(ڈائری ماسٹر محمود حسن مرحوم فرزند مولانا عبدالشکور آہ سے ماخوذ)

حضرت آہ نسبتاً سادات سے تھے، جناب حامد علی خان نے اپنی کتاب ''مظفر پور علمی، ادبی، اور ثقافتی مرکز'' میں جناب سید ابوالمحفوظ محمد محمود الحسن نطق شمسی مصنف نور الہدیٰ'' کے حوالہ سے حضرت آہ'' کو نسبتاً صدیقی لکھا ہے، مگر تاریخی طور پر ہمارے خاندان میں مشہور روایت کے مطابق یہ انتساب غلط ہے۔

''ابتدائی تعلیم''

حضرت آہ کی ابتدائی تعلیم شہر مظفر پور میں ہوئی، اس دور کے اساتذہ کا حال معلوم نہیں، لیکن بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد مولانا نصیر الدین نصر سے پڑھیں، آپ کے ماموں مولانا امیر الحسن قادری بھی بڑے زبردست عالم اور سلسلۂ قادریہ کے قوی النسبت بزرگ تھے، درس وتدریس ہی زندگی بھر ان کا مشغلہ رہا، ممکن ہے ان سے بھی استفادہ کیا ہو، مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں بھی آپ نے پڑھا ہے، حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی رفاقت اسی دور سے حاصل رہی،

''اعلیٰ تعلیم''

اس کے بعد متوسطات سے لے کر درس نظامی کی تکمیل کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے کی اور تمام علوم، بالخصوص علوم عقلیہ میں درک حاصل کیا، پھر اپنے والد ماجد کی ہدایت کے مطابق دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، سے حدیث کے اسباق پڑھے، دیوبند کے عہد طالب علمی میں بڑے عجیب وغریب واقعات پیش آئے، جن سے حضرت آہ کی ذکاوت وحاضر دماغی اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت امیر شریعت خامس (بہار واڑیسہ) مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ، حضرت آہ مظفر پوریؒ کے تلمیذ رشید تھے، وہ ان واقعات کو بڑی لذت لے کر بیان فرمایا کرتے تھے، میں نے بعض واقعات حضرت امیر شریعت خامس کے تعزیتی مضمون میں جمع کر دیئے ہیں اور وہ مضمون شائع ہو چکا ہے۔

حضرت آہ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر بخاری قلمبند فرمائی تھی، مگر افسوس دستبرد زمانہ سے وہ تقریر محفوظ نہ رہ سکی۔

''اساتذہ سے تعلق''

حضرت آہ اپنے علمی سفر کے دوران سب سے زیادہ جن اساتذہ سے متأثر ہوئے، وہ تھے استاذ اول امام المعقول حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور استاذ ثانی حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، اس گہرے تعلق کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت آہ کو دو محل سے دو اولاد نرینہ ہوئی، اور دونوں کا نام اپنے دونوں اساتذہ کے نام پر رکھا، بڑے صاحبزادے کا ''احمد حسن'' اور چھوٹے کا ''محمود حسن'' یہ اساتذہ سے ان کے گہرے تعلق کی علامت ہے۔

''فراغت''

حضرت آہ نے دیوبند سے کس سن میں فراغت حاصل کی یہ تو دارالعلوم کے ریکارڈ سے معلوم ہوگا، (جس کی تحقیق کی اب تک نوبت نہیں آسکی) ویسے اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۰۰ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے قبل ہی ۱۸/۱۹ سال کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو گئے تھے، اس لیے کہ ان کے محل اولی سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا احمد حسن منوراوی کی تاریخ ولادت ۱۹۰۰ء ہے، اس کا مطلب ہے کہ کم از کم اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہوئی، اور اس سے قبل وہ فارغ ہوئے..... اگر چہ کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شادی دوران تعلیم ہی کر دی گئی ہو، مگر مولانا نصیر الدین نصرؔ کے مزاج اور اصولِ تربیت کے پیش نظر یہ بعید معلوم ہوتا ہے۔

''شادی''

حضرت آہؔ کی پہلی شادی اپنے ماموں محترم حضرت مولانا امیر الحسن قادری کی صاحبزادی حلیمہ خاتون سے ہوئی، جن سے حضرت مولانا احمد حسن منوراویؒ پیدا ہوئے، اور دوسری شادی ''بی بی زینب النساء'' سے ہوئی جن سے ماسٹر محمود حسنؒ پیدا ہوئے۔

''رفقاء خاص''

حضرت آہؔ کے رفقاء میں حضرت مولانا حافظ بشارت کریم گڑھولویؒ، حضرت مولانا ریاض احمد چمپارنیؒ سابق استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند، مولانا خدا بخشؒ، (جن کی خدا بخش لائبریری پٹنہ شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے) اور حضرت مولانا غلام حسینؒ کانپوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(دیکھئے الجمیعۃ، جمیعۃ علماء نمبر جلد ۸/شمارہ ۴۳/اشاعت ۱۹۹۵ء بحوالہ روئیداد دار العلوم دیوبند)

تذکرہ علماء بہار (مولفہ مولانا ابوالکلام قاسمی) میں مولانا عبدالودود محی الدین نگری سمستی پوری (ولادت ۱۹۹۸ء وفات ۱۹۶۰ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولانا عبدالشکور کے ساتھ تحصیل علم کے لیے دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۲۱ء میں فراغت حاصل کی، (ج ا ص ۱۷۲/)

تاریخی طور پر یہ بات غلط ہے اس لیے کہ حضرت آہؔ ۱۸۹۸ء یا ۱۸۹۹ء میں فارغ ہو چکے تھے، اور دیوبند میں ان کے قیام کی مدت ایک سال سے زیادہ نہیں ہے، جب کہ مولانا عبدالودودؒ کی ولادت ہی ۱۹۹۸ء میں ہوئی ہے۔

''تدریس''

فراغت کے بعد حضرت آہؔ نے جامع العلوم مظفر پور میں برسوں درس دیا، جج صاحب نے آپ کی صلاحیت سے متاثر ہو کر آپ کو گورمنٹ مدرسہ شمس الہدی پٹنہ بلا لیا، وہاں عرصہ تک آپ سینئر استاذ رہے، اسی دور میں مفتی سہول احمد بھاگلپوریؒ وہاں کے استاذ تھے، پٹنہ سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن مظفر پور تشریف لائے تو جامع العلوم مظفر پور کے ذمہ داروں کی درخواست پر کچھ عرصہ اعزازی طور پر دوبارہ جامع العلوم میں درس دیا، اور پھر مظفر پور ہی کی خاک میں آپ مدفون ہوئے۔

''تزکیہ واحساس''

حضرت آہؔ تزکیہ واحساس، کی دنیا کے شناور بھی تھے، انہوں نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت پائی، مگر آخری دور میں اپنے رفیق درس حضرت بشارت کریم گڑھولویؒ کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہو گئے۔

''حضرت آہ بحیثیت ادیب''

حضرت آہؔ اپنے عہد کے نامور شاعر وادیب بھی تھے، یہی عہد تقریباً ڈاکٹر اقبال کا بھی تھا، یہ دور سخت سیاسی انتشار، امت مسلمہ کے زوال، اور قدیم اقدار کی تبدیلیوں کا تھا، اس دور کے اکثر شعراء کی طرح آہ کی شاعری بھی حالات سے متاثر ہوئی، اس دور کے اخبارات ورسائل میں آہ کے جو کلام شائع ہوئے ان پر اس وقت کے تغیر پذیر حالات کی گہری چھاپ تھی۔

آہؔ نے اپنی پوری زندگی دین، علم دین، اور قوم وملت کی خدمت کے لیے وقف کر دی، اور اپنے ذوق ادب کی تسکین اور باطنی کیفیات کی ترسیل کے لیے شعری سلسلہ جاری رکھا، چھپتے بھی رہے اور شعری نشستوں میں بھی شریک ہوئے۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ آہ کا کوئی مجموعہ کلام آج تک شائع نہیں ہوا، آہؔ نے اپنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کاغذات میں زبردست علمی اورادبی سرمایہ چھوڑا تھا،مگراس کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں دی گئی،حضرت آہ کا مجموعہ کلام ان کے ادبی سرمایہ کا حصہ ہے،مگر وہ آج تک غیر مطبوعہ اورناقص ہے۔

حضرت آہؔ کے کلام کا بڑا حصہ طربیہ ہے،ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے حالات کی تلخی اوراپنے اندرونی حزن وملال اورمحرومیوں کوطربیہ شاعری کے ذریعہ تسکین پہونچانے کی کوشش کی ہو۔

آہؔ نے غزل ،نظم ،قصیدہ، نعت ،مرثیہ، مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، مگرغزل کاعنصرغالب ہے،ان کے کلام کازیادہ ترحصہ اردو میں ہے،مگرفارسی اورعربی کلام کا بھی ایک حصہ ان کے مجموعہ میں موجود ہے،جس سے ان کی علمیت،قادرالکلامی،اورشاعرانہ تنوع کا پتہ چلتا ہے۔

آہؔ کے کلام میں اگرچہ فکری معنویت اوراقبال کی طرح دقیق وفلسفیت کی کمی محسوس ہوتی ہےاوروہ زیادہ ترحسن وعشق،ہجرووصال،اورگل وبلبل کی بات کرتے نظرآتے ہیں،مگران کے کلام کی سلاست انداز بیان کی شگفتگی،موسیقت اورکلاسیکیت،اورگاہے گاہے نگینہ کی طرح گہری فکریت اس کمی کی تلافی کرتی ہے،ان کے کلام میں متانت وسنجیدگی ہے، استعارات اورندرت بیان سے کلام آراستہ ہے، بہرحال آہ کا کلام ان کے افکاروخیالات ،گردوپیش کے حالات،اوراس دورکے سیاسی وسماجی تغیرات کی عکاسی کرتا ہے،ان کا کلام اردوزبان وادب کے لیے قیمتی سرمایہ ہے،آج ضرورت ہے کہ اردودنیا کوان کے نظریات وخیالات سے واقف کرایا جائے۔

نمونۂ کلام یہ ہے

رقیب کوساتھ لے کر جب نکلتے ہیں
دلِ زخمی پہ کیا کیا حسرتوں کے تیرچلتے ہیں

کسی کی بے وفائی میں بھی ایک شانِ وفا دیکھی
جنازہ پرنہ آئے توکفِ افسوس ملتے ہیں

ہمارے دیدۂ ودل کی حقیقت دیکھتے جاؤ
کہیں چشمے ابلتے ہیں کہیں شعلے نکلتے ہیں

بتائیں ہجر ہم کیونکردکھائیں دردہم کیونکر
ہمارے گھروہ آتے ہیں توکل نقشے بدلتے ہیں

محبت ہم سمجھتے ہیں تری طرزِ عداوت کو
جگہ دیتے ہیں پہلو میں جوتیرے تیرچلتے ہیں

شبِ فرقت نہ پوچھو آہؔ چشم زار کاعالم
تن بسمل میں دوچشمے ہیں جوہردم ابلتے ہیں

رکھتاہوں آگ عشق کی دل میں چھپی ہوئی
حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر

آکے جوبے نقاب کیا ایک نیاستم
بجلی گراگئے وہ دلِ بے قرار پر

رسوا نہ ہوئے عشق میں اے آہ ہم کبھی
قابونہیں مگر دلِ بے اختیار پر

(تذکرہ مسلم شعراء بہارج اص۱۰۸،مولفہ حکیم سیداحمداللہ ندوی)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ادبیات

دل کو میخانہ بنا.....

از

حضرت مولانا عبدالشکور آہ
مظفر پوریؒ

دل کو میخانہ بنا، آنکھوں کو پیمانہ بنا
آن والوں کو پلا کر رند مستانہ بنا

خلوت توحید میں تو سب کو بیگانہ بنا
پہلے خود تو شمع بن پھر اس کو پروانہ بنا

عشق میں مر کر مری مٹی ٹھکانے لگ گئی
حلقۂ تربت زیارت گاہِ جانانہ بنا

جیتے جی حسرت نہ نکلی کچھ دلِ ناشاد کی
ہوگیا واصل بحق تو ان کا کاشانہ بنا

بعد مرنے کے بھی ہمت میں مری گردش رہی
خم بنا، ساغر بنا، آخر کو پیمانہ بنا

کیوں بھٹکتے رہے ہو دربدر اے آہ تم
کچھ تو سوچو کیوں دلِ آباد ویرانہ بنا

تحقیق

ظہور مہدی کے لیے وقت کی تعیین - ایک جائزہ

مولانا عمر فاروق لوہاروی (لندن)

قیامت کے وقوع کا علم ایک امر غیبی ہے، اس کا حقیقی علم بجز اللہ تعالی شانہ کے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، کسی کو نہیں ہے، البتہ اس کی کچھ علامات وآثار ہیں، جنہیں بطور پیشین گوئی رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں علامات صغریٰ یعنی چھوٹی علامتیں کہا جاتا ہے، ان علامتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے وقوع پذیر ہونے کے بعد قیامت بالکل قریب آجائے گی، بلکہ یہ مطلب ہے کہ قیامت سے قبل ان کا وجود میں آنا لابدی اور ضروری ہے، ان علامات میں سے کئی ایک علامتیں آج تک ظہور پذیر ہوچکی ہیں، اور یہ حقیقت ارباب علم کے سامنے روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے، جب کہ عوم کی اس حقیقت سے آگہی کی ضرورت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کا رسالہ ''عصر حاضر حدیث نبویؐ کے آئینہ میں'' حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے مقالات: ''فتنے جو پہلے بتادیے گئے'' اور ''فتنے کے دور میں'' بادکر فکر ۲۲۹/تا ۲۴۲/، اور حضرت مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ''فتنوں کا عروج اور قیامت کے آثار'' کافی حد تک پوری کرسکتے ہیں۔

بعض علامات وہ ہیں جنہیں علاماتِ کبریٰ یعنی بڑی علامتیں کہا جاتا ہے، یہ علامتیں بالعموم قیامت کے قریب تر زمانہ میں پے در پے ظاہر ہوں گی، اور عادت ومعمول کے خلاف ہوں گی، حضرت مہدی کا ظہور بھی قیامت کی علاماتِ کبریٰ کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، بلکہ قریب تر نشانیوں میں یہ اولین نشانیوں میں سے ہے، چنانچہ امام محمد بن احمد سفارینی تحریر فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ای من العلامات العظمی وھی اولھا ان یظھر الامام المقتدی الخاتم للائمة محمدالمھدی (لوائح الانوار البھیۃ ج۲ ص۶۷)

ترجمہ: قیامت کی بڑی یعنی قریب تر اور اولین نشانیوں میں امام مہدی المقتدی خاتم الائمہ محمد مہدی کا ظہور ہے۔

حضرت مہدی کے متعلق اس کثرت سے احادیث مروی ہیں کہ اصولِ محدثین کے اعتبار سے وہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں، شیخ شریف محمد برزنجی تحریر فرماتے ہیں:

وقد علمت ان احادیث المھدی وخروجه آخر الزمان وانه من عترة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من ولد فاطمة رضی اللّٰه عنھا بلغت حدالتواتر المعنوی فلامعنی لانکار ھا، (الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص۱۱۲)

ترجمہ: محقق طور پر معلوم ہے کہ مہدی سے متعلق احادیث: کہ آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا، اور وہ رسول ﷺ کی نسل اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہوں گے، تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، لہذا ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

پھر جیسے ظہور مہدی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے اسی طرح یہ امر بھی بالکل بے ریب ہے کہ اس کے لیے صاحبِ شریعت کی جانب سے ماہ وسال کا کوئی تعین نہیں ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی تالیف ''الاذاعة لما کان ویکون بین یدیی تلک الساعۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

لاشک ان المھدی یخرج فی آخر الزمان من غیر تعیین لشھر وعام (الاذاعۃ ص۱۴۵)

ترجمہ: اس بات میں ادنی بھی شک نہیں ہے کہ آخری زمانہ میں ماہ وسال کی تعیین کے بغیر حضرت مہدی کا ظہور ہوگا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ ''المھدی والمسیح کے بارے میں پانچ

سوالوں کا جواب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مہدی علیہ الرضوان سے بیعت کس سن اور کس مہینے کی کس تاریخ کو ہوگی؟ یہ معلوم نہیں'' (المہدی والمسیح ص۲۲)

موجودہ دورِ انحطاط وزوال میں جب کہ امت نازک حالات سے گذر رہی ہے، ظہورِ مہدی کا موضوع آج تمام زمانوں سے زیادہ حساس بن گیا ہے، اور کئی مسلمان حضرت مہدی کے ظہور کے منتظر نظر آتے ہیں، یہاں یہ ملحوظ رہے کہ شیعوں کے بارہویں اور آخری امام حضرت مہدی ہیں، ان کی تو تمنا ہے ہی کہ وہ جلد ظاہر ہوں، اس لیے تقریبا تمام شیعہ مصنفین لفظ مہدی کے ساتھ عجل اللّٰہ ظھورہ کا جملہ ضرور لکھتے ہیں، لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ شیعوں کے مہدی پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہو چکے ہیں اور پانچ سال کی عمر میں سامرہ کی گھاٹی میں غار ''سر من رأی'' میں کرشماتی طور پر روپوش ہوگئے ہیں، ان کا وجود اب بھی ہے، وہ زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں خروج کریں گے، یہ تو ایک بے اصل اور بے حقیقت افسانہ ہے، اس وقت دنیا میں کوئی ایسا مہدی کلی طور پر موجود نہیں، جو اچانک سامرہ کی گھاٹی سے خروج کرے گا، اہلِ سنت والجماعت کی اصطلاح جو در حقیقت شریعتِ مطہرہ کی اصطلاح ہے، میں جب مہدی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہ ذات شریف مراد ہوتی ہے، جس کے ظہور کی خبر قربِ قیامت میں حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول سے پہلے احادیث متواترہ میں دی گئی ہے، اور جس کے بارے میں خاص علامتیں اور تعارفی احوال صحیح سند کے ساتھ کتبِ حدیث میں موجود ہیں، جن کا انطباق سوائے اس ''خاص مہدی'' کے کسی اور پر ہو ہی نہیں سکتا۔

الغرض موجودہ زمانہ میں کئی مسلمان حضرت مہدی کے ظہور کے متمنی ہیں، موجودہ انقلابی حالات کے پیشِ نظر جہاں تک ظہورِ مہدی کی تمنا کے اجمالی ہونے اور ماہ سال کی تعیین سے خالی ہونے کا معاملہ ہے، تو اس میں قباحت نہیں ہے، بلکہ ''تمنا'' سے بڑھکر ''امید'' بھی زوا ہے، اس لیے کہ بنصِ حدیث ان کا ظہور امتِ مسلمہ کا انحطاط عروج سے اور زوال اقبال سے بدلنے کا ضامن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے،لیکن اگر بمصداق مثل مشہور ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا'' کسی طرح ماہ وسال کی تعیین کردی جائے تو سخن دریں است، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اتنی کثیر علامات اوران کی تفصیلات سے بعض اوقات قاری یہ توقع بھی کرنے لگتا ہے کہ واقعات کی کڑیاں ملاکر وہ قیامت کا ٹھیک ٹھیک زمانہ متعین کرنے میں کامیاب ہوجائے گا، لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوسکے گا، قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے کہ: **لاتاتیکم الا بغتة** قیامت تم پر اچانک آپڑے گی، وجہ یہ ہے کہ اول تو بہت سی علامتوں میں ترتیب ہی کا ادراک نہیں ہوتا کہ کونسا واقعہ پہلے اور کونسا بعد میں ہوگا، اور جن واقعات کی ترتیب احادیث میں بیان کردی گئی ہے، ان میں بھی متعدد مقامات پر یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ دونوں واقعوں کے درمیان کتنے زمانہ کا فاصلہ ہے، پھر بہت سی احادیث میں ایسا اجمال ہے کہ ان کی مراد یقینی طور پر متعین نہیں ہوتی'' (علامات قیامت اور نزول مسیح علیہ السلام ص ۱۱۹)

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ واقعات کی پوری تفصیل اور اس کے اجزاء کی پوری ترتیب بیان کرنی رسول ﷺ کا وظیفہ نہیں، یہ ایک مؤرخ کا وظیفہ ہے، رسول آئندہ واقعات کی صرف بقدر ضرورت اطلاع دے دیتا ہے، پھر جب ان کے ظہور کا وقت آتا ہے، تو وہ خود اپنی تفصیل کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں،.....لہذا امام مہدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اونہ صحت کے ساتھ منقول شدہ منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے، اور نہ اس وجہ سے اصل پیشنگوئی میں تردد پیدا کرنا علم کی بات ہے، یہاں جملہ پیشنگوئیوں میں صحیح راہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ جتنی بات حدیثوں میں صحت کے ساتھ آچکی ہیں، اس کو اسی حد تک تسلیم کرلیا جائے، اور زیادہ تفصیلات کے درپے نہ ہوا جائے۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۳۷۶)

بعض حضرات نے حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں ایک روایت اور ہمارے بعض اکابرؒ کی طرف منسوب اقوال ومکاشفات کا تانا بانا ملاکر پیشن گوئی کی ہے اور یہ متعین کردیا ہے کہ آئندہ سال یعنی سن عیسوی ۲۰۰۴ء ظہور مہدی کا سال ہے۔

۲۰۰۴ء میں ظہور مہدی کے لیے بطور دلیل ایک ارشاد نبوی ﷺ یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ نے اپنے رسالہ ''علامات قیامت'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت مہدی رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہونگے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی، اور آپ کو مجبور کرکے آپ سے بیعت کرلے گی'' اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل گذشتہ ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا، اور سالِ رواں کے ماہِ رمضان المبارک میں یہ دونوں گہن ہونے والے ہونگے، لہذا ذوالحجہ کے مہینے میں حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اور ماہ ذی الحجہ شمسی اعتبار سے سن عیسوی ۲۰۰۴ء کے موافق پڑتا ہے۔

مذکورہ دلیل جس روایت سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہے:

حدثنا ابو سعید الاصطخری ثنا محمدبن عبدا للّٰہ بن نوفل حدثنا عبید بن یعیش حدثنا یونس بن بکیر عن عمر و بن شمر عن جابر عن محمد بن علی قال ان لمهدینا آتین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکشف القمر الاول لیلة من رمضان وتنکشف الشمس فی النصف منه ولم تکونا منذ خلق اللّٰہ السموات والارض

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۶۵/ باب صفۃ صلاۃ الخسوف والکسوف وہیئتہما)

ترجمہ: امام دار قطنیؒ روایت کرتے ہیں ابوسعید الاصطخری سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عبداللہ بن نوفل سے، وہ عبید بن یعیش سے، وہ یونس بن بکیر سے، وہ عمرو بن شمر سے، وہ جابر سے وہ محمد بن علی سے کہ محمد بن علی نے بیان کیا کہ بے شک ہمارے مہدی کی دو ایسی نشانیاں ہیں جو آسمان وزمین کی تخلیق کے وقت سے اب تک پیش نہیں آئیں، (اول یہ کہ) رمضان کی پہلی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شب میں چاند گرہن ہوگا، (دوسرے یہ کہ) اسی رمضان کے نصف میں سورج گرہن ہوگا، اور یہ دونوں نشانیاں آسمان وزمین کی آفرینش سے اب تک ظہور پذیر نہیں ہوئیں۔

لیکن اس روایت سے استدلال بچند وجوہ مخدوش ہے۔

(۱) یہ روایت جسے ارشادِ نبوی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے ہی نہیں، بلکہ محمد بن علی کا قول ہے، جب تک کوئی واضح دلیل نہ ہو، اسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد قرار دینا یہ آپ پر افترائے عظیم ہے، اور حدیث پاک میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

(۲) محمد بن علی نام کے بہت سے رواۃ ہیں، اس اعتبار سے مذکورہ بالا روایت میں محمد بن علی ایک مجہول راوی ہیں، یہاں یہ ملحوظ رہے کہ شیعوں کا اور مرزائیوں کا اس سے حضرت باقر مراد لینا بلا دلیل ہے۔

(۳) محمد بن علی سے روایت کرنے والا راوی جابر بھی مجہول ہے، اس کی شخصیت سے متعلق کوئی علم نہیں عمرو بن شمر اکثر جابر جعفی سے روایت نقل کرتا ہے جیسا کہ حاکم ابوعبداللہ فرماتے ہیں، اس لیے بعض علماء نے اس روایت میں جابر سے بدرجہ احتمال جابر جعفی کو مراد لیا ہے، اور جابر جعفی کذاب، علی شیعہ اور صحابہ کرامؓ کا گالیاں دینے والا تھا،

(اس کے تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲-۱۶)

(۴) اس روایت کا ایک راوی عمرو بن شمر ہے اور وہ جھوٹا، رافضی اور گمراہ تھا، صحابۂ کرامؓ کو گالیاں دیتا تھا، اور ثقہ لوگوں کے حوالہ سے موضوعات کی روایت کرتا تھا، اس لیے حضراتِ محدثین نے اسے منکر ومتروک قرار دے کر اس کی روایات قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”عمرو بن شمر الجعفی الکوفی الشیعی ابوعبداللّٰہ، روی عباس عن یحیی: لیس بشئی، وقال الجوزجانی: زائغ کذاب، وقال ابن حبان: رافضی

یشتم الصحابة ویروی الموضوعات عن الثقات، وقال البخاری: منکر الحدیث قال یحیی: لایکتب حدیثه، قال السلیمانی: کان عمرو یضع للروافض وقال ابن ابی حاتم: سألت ابی عنه فقال: منکر الحدیث جدا ضعیف الحدیث لایشتغل به، ترکوه لم یزد علی هذاشیأ وقال ابوزرعة: ضعیف الحدیث، وقال النسائی فی التمیز: لیس بثقة ولایکتب حدیثه وقال ابن سعد: کانت عنده احادیث وکان ضعیفاً جداً متروک الحدیث وقال ابواحمد الحاکم: لیس بالقوی عند هم وقال الحاکم ابوعبد اللّٰه: کان کثیر الموضوعات عن جابر الجعفی ولیس یروی تلک الموضوعات الفاحشة عن جابر غیره وذکره العقیلی والدولابی وابن الجارود وابن شاهین فی الضعفاء .....عمر و بن شمر متروک الحدیث ،

(لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷-۳۷۲)

مذکورہ فنی وجوہ کی وجہ سے یہ روایت پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہے، اس لیے ظہور مہدی جیسے اہم مسئلہ کے لیے اس کو بطور دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اور نہ اس سے یہ عقیدہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مہدی کے وقت میں ایسے گہنوں کا ہونا ضروری ہے، اور وہ گہن حضرت مہدی کی علامت ہیں۔

(۵) بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے مہدیت کی تردید میں اپنی تصنیف ”دوسری شہادتِ آسمانی“ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”مسٹر کیتھ (”Uss of Giobe“ کتاب کا مؤلف اور مشہور ماہر ہیئت) نے سوبر میں (یعنی ۱۸۰۱ء سے ۱۹۰۰ء تک) کی فہرست دی ہے اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوبرس کے عرصہ میں سورج اور چاند کا مشترکہ گہن رمضان المبارک میں پانچ مرتبہ ہوا ہے.....حدائق النجوم (۱۱۵۸ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم فارسی کتاب جو ہیئت فیثاغورثی کے بیان میں ہے) کی فہرست میں تریسٹھ سال کے اندر رمضان المبارک میں تین گہنوں کا اجتماع لکھا ہے“ اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے بعد انہوں نے کتاب سے چھیالیس برس کی فہرست نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ ''یہ کتابیں عرصہ دراز ہوا طبع ہوئیں، لیکن اب تک کسی نے ان پر غلطی کا الزام نہیں لگایا'' (دوسری شہادت آسمانی ص ۲۶-۲۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سالِ رواں کے ماہِ رمضان میں علی سبیل الفرض ہونے والے ان دونوں گہنوں کے اجتماع کو حضرت مہدی کی علامت قرار دینا بلا دلیل ہے، اس لیے کہ اس طرح کے گہن پہلے بھی بہت ہو چکے ہیں۔

(۶) مذکورہ روایت میں دونوں گہنوں کے لیے مطلق رمضان المبارک کا ذکر نہیں ہے، بلکہ چاند گہن کے لیے رمضان کی پہلی اور سورج گہن کے لیے رمضان کی پندرہویں تاریخ ہونے کی قیود ہیں، اور ماہرین فلکیات (اسٹرونمرز) کی تحقیق کے مطابق سالِ رواں ۲۰۰۳ء کے ماہِ نومبر کی ۹ اور ۲۳ تاریخوں میں بالترتیب چاند گہن اور سورج گہن ہوگا جو حساب کے اعتبار سے یکم رمضان اور پندرہ رمضان کی تاریخ نہیں بنتی ہے، بلکہ سورج گہن تو ماہِ شوال میں پڑتا ہے، لہذا دونوں گہنوں کا اجتماع رمضان المبارک میں نہ ہوگا، پھر یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سالِ رواں میں ہونے والے دونوں گہنوں میں سے چاند گہن تو اور ممالک کی طرح سعودیہ میں بھی نظر آئے گا لیکن ماہرین فلکیات کی تحقیق کے اعتبار سے سورج گہن کا وجود حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا میں بلکہ پوری مملکت سعودیہ میں نہیں ہوگا، جہاں حضرت مہدی کا وجود وظہور ہونا ہے!!!

مذکورہ بالا روایت کے قریب قریب ایک روایت شیخ یوسف المقدسی الشافعی کی کتاب ''عقد الدرر فی اخبار المنتظر'' ص ۱۳۵ ج ۱ میں اور شیعوں کی کتاب ''بشارۃ الانام بظہور المہدی علیہ السلام'' للکاظمی میں ۱۰۰ ج ۱ میں ہے البتہ اس روایت میں ہے کہ سورج گہن نصف رمضان میں اور چاند گہن آخر رمضان میں ہوگا، اور یہ دونوں انشانیاں حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتارے جانے کے بعد سے آج تک ظہور پذیر نہیں ہوئی ہیں''

فنی حیثیت سے اس روایت میں تقریباً وہی کلام ہے جو سنن دار قطنی کی مذکورہ بالا روایت میں ہے، اس لیے یہ روایت بھی نا قابل احتجاج ہے، اور سالِ رواں میں ہونے والا دونوں گہنوں کا

اجتماع اس ساقط الاعتبار روایت کے مطابق بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں بھی اس اجتماع کا رمضان المبارک میں واقع ہونا مذکور ہے جب کہ ماہرین فلکیات کی تحقیق کے مطابق ایک گہن رمضان میں اور دوسرا ماہِ شوال میں واقع ہوگا۔

۲۰۰۴ء میں ظہورِ مہدی کے لیے دوسری دلیل یہ ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشن گوئی کے مطابق حضرت مہدی کی ولادت ۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں ہو چکی ہے، اور ہمارے اکابرؒ میں سے حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے اپنے درس میں، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند نے اپنے درس یا وعظ میں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مکیؒ نے سہارنپور میں اپنی خانقاہی مجلس میں اور مشہور مبلغ حضرت مولانا عمر پالن پوری صاحبؒ نے ساؤتھ افریقہ میں سپرنگ فیلڈ کے تبلیغی اجتماع میں حضرت مہدی کے پیدا ہو چکنے کا ذکر کیا تھا۔ یہ مقدمۂ اولی ہوا، دوسرا مقدمہ یہ ترتیب دیا گیا کہ ظہور کے وقت حضرت مہدی کی عمر چالیس سال ہوگی، اب نتیجہ نکالا گیا کہ ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں ولادت کے لحاظ سے سال سن عیسوی ۲۰۰۴ء بنتا ہے، لہذا آئندہ سال حضرت مہدی کا ظہور ہوگا۔

ظہور مہدی کے سن کی تعیین کے لیے مذکورہ بات بھی حسب ذیل وجوہ سے دلیل نہیں بن سکتی ہے:

(۱) حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشن گوئی غیر واضح اور مبہم ہے، اسی لیے کسی نے ان کے قول کی روشنی میں ظہورِ مہدی کا سال ۱۴۲۰ھ، کسی نے ۱۴۲۱ھ کسی اور نے ۱۴۲۳ھ اور کسی نے ۱۴۲۴ھ قرار دیا ہے، جہاں تک شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ وغیرہ اکابر کی بات کا تعلق ہے تو ولادتِ مہدی کی خبر اس قدر معمولی نہیں تھی کہ ان اکابر کے وسیع حلقہائے درس ورشد کے شرکاء نے اور تبلیغی اجتماع میں شرکت کرنے والے ہزاروں افراد نے اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا اور اس کو آج تک ذکر نہیں کیا، بلکہ موضوع کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اس کو کئی ایک سامعین ذوق شوق سے نقل کرتے اس لیے ان اکابر کی طرف اس قول کی نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۲) بشمولیت حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ ان حضرات کی جانب سے حضرت مہدی کے اتنے سالوں کے بعد پیدا ہونے یا ابھی پیدا ہو چکنے پر کوئی دلیل اور حوالہ منقول نہیں۔

(۳) ممکن ہے، ان حضرات نے بطور احتمال ولادت مہدی کی بات نقل کی ہو، تو جیسے پیدا ہو جانے کا احتمال ہے، ویسے ہی پیدا نہ ہونے کا بھی احتمال ہے، لہذا اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے، اور اس قسم کا احتمال ظہور مہدی کے سلسلہ میں چند سال قبل بھی بیان ہو چکا تھا، چنانچہ ''جنگ آرہی ہے'' نامی کتاب میں ص ۸۷ تا ۹۷ / پر ایک تجزیہ کیا گیا ہے کہ ''امریکہ کی مشہور پیشن گو خاتون جین ڈکسن نے بتایا تھا کہ ۵ / فروری ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۱ھ کو مشرق وسطی میں ایک بچہ پید ہوا ہے، جو انقلاب لا کر پوری دنیا کا حکمراں بن جائے گا، پھر پوری دنیا ایک ہو جائے گی، مذکورہ کتاب میں لکھا ہے کہ اگر اس بچہ کو مہدی مان لیا جائے تو چالیس سال بعد ظہور مہدی کا سن ۱۴۲۱ھ بنتا ہے، اور ظہور مہدی کے لیے یہی سن ہجری حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشن گوئی سے نکلتا ہے، اور اس طرح مشرق ومغرب کی یہ دو پیشنگوئیاں حد درجہ اہمیت اختیار کر لیتی ہیں، جس سے اسلامی دنیا کو استفادہ کرنا چاہئے۔

دیکھئے! ۱۴۲۱ھ گذر چکا اور ابھی تک ظہور مہدی نہیں ہوا۔

(۴) ممکن ہے ان حضرات اکابر نے اپنے اپنے کشف کے ذریعہ یہ بات ارشاد فرمائی ہو کہ حضرت مہدی اتنے سالوں کے بعد پیدا ہوں گے، یا یہ کہ پیدا ہو چکے ہیں، تو اول تو یہ امر موجب خلش ہے کہ ماضی قریب کے مذکورہ اکابر کے ارشد تلامذہ وخلفاء اور ہمہ وقت کے حاضر باش خدام میں سے کوئی اسے نقل نہیں کرتا دوسرے یہ کہ نفس کشف کا ثبوت نصوص صحیح سے ہے، لیکن غیر انبیاء کے کشوف میں تعیین زمان ومکان وغیرہ میں غلطی کا احتمال ہے، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''مکاشفات کی تین قسمیں ہیں ایک تحت التکوین، اس میں کافر ومسلم برابر ہیں، ایک لوحِ محفوظ سے، وہ خاص مسلمین کے لیے ہے، مگر اس کے لیے **یمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت وعنده ام الکتاب** اور ایک خاص علم اللہ سے، یہ مخصوص انبیاء علیہم السلام کے لیے، پہلے دو میں کشفی غلطی کا احتمال ہے، مگر ثالث میں امکان نہیں، کیونکہ پہلے دو میں زمان ومکان کی تعیین تخمین سے ہو سکتی ہے، مگر علم الٰہی میں ماضی وحال اور استقبال برابر ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علوم غلطی سے پاک ہیں (ارواح ثلثہ ص ۲۶۹)

ظہور مہدی کے سلسلے میں پہلے بھی بعض اہل کشف کو مکاشفہ ہوا تھا، جو وقت آنے پر غلط ثابت ہوا، چنانچہ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ اپنے ایک مکتوب (موصولہ ۱۲ / شوال ۱۲۹۴ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعض اہل کشف کا گمان ہے کہ اگلی صدی کے شروع میں ظہور مہدی اور آثار قیامت موعودہ ظاہر ہونگے اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ وہ زمانہ ابھی دور ہے، **واللہ اعلم**، اگلی بات کہنا فضول ہے، جو خدا چاہے سو ہو'' (مکتوبات وبیاض یعقوبی ص ۹۰)

حضرت موصوفؒ اپنے ایک اور مکتوب (موصولہ ۲۴ / ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ) میں خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ملاقات امام مہدی کی کیا عجب ہے نصیب ہو، کیونکہ علامات اس کی بہت ظاہر ہیں، اور مکشوف اولیاء کے مطابق کیا عجب ہے کہ اس صدی کے پہلے یا دوسرے سال میں ظہور ہو جاوے، **واللہ اعلم**، (ایضا ص ۱۰۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۰۱ھ یا ۱۳۰۲ھ میں حضرت مہدی کے ظہور کا کشف بعض اہل کشف کو ہوا تھا اور آج سن ہجری ۱۴۲۵ھ شروع ہو چکا ہے، لیکن اب تک ظہور مہدی نہیں ہوا۔

تیسرے یہ کہ اولیاء کے کشوف کا اعتبار اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کہ وہ قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس صحیح کے مخالف نہ ہوں اور یہ مسئلہ تمام سلف اور خلف میں متفق علیہ ہے جیسا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ''ارشاد الطالبین'' میں ذکر فرمایا ہے: ''اور ظہور مہدی کے لیے سال کا تعین نصوص صحیحہ کے معارض ہے''۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عام نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ ظہورِ مہدی میں اللہ تعالی شانہ، ہی کی طرف سے اخفاء رکھا گیا ہے، ایک وقت آئے گا کہ لوگوں پر اچانک یہ راز ظاہر ہوگا، اس معاملہ میں اس قدر اخفاء رکھا گیا ہے کہ خود حضرت مہدی بھی ظہور سے پہلے پہلے تک اپنے مقام سے ناآشنا ہوں گے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

قا ل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المھدی منااھل البیت یصلحہ اللّٰہ فی لیلۃ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶)

ترجمہ: رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اہل بیت! مہدی ہم میں سے ہوں گے، (مہدی میرے خاندان سے ہوں گے) اللہ تعالی راتوں رات ان کو یہ صلاحیت عطا فرمادے گا (ان کو ہادی ومہدی بنادے گا)

امام ابن کثیرؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای یتوب علیہ ویوفقہ ویلھمہ ویرشدہ بعد ان لم یکن کذالک (النھایۃ والملاحم ج ۱ ص ۳۱)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالی اپنے خصوصی فضل اور توفیق سے سرفراز فرما کر پہلے انہیں (حقیقت کا) الہام کریں گے اور اس مقام سے آشنا کریں گے، جس سے وہ پہلے بالکل ناواقف تھے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہوجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب امام مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں، تو پھر ان کا تعارف، عوام وخواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے، اس لیے مصائب وآلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا، لیکن ان کے وہ باطنی تصرفات اور روحانیت مشیت الٰہی کے ماتحت اوجھل رکھی جائے گی، یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندران کی اندرونی خصوصیات منظر عام پر آجائیں گی۔ گویا یہ بھی ایک کرشمۂ قدرت ہوگا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی، اور جب وہ وقت آئے

گا، تو قدرتِ الٰہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کردے گی جن کے بعد ان کا امام مہدی ہونا ایک نابینا پر بھی منکشف ہوجائے گا دیکھئے دجال کا خروج احادیث صحیحہ سے کیسا ثابت ہے، لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت اس کے خروج سے پہلے پہلے کتنی مخفی ہے، اور جب کہ یہ داستان دور فتن کی ہے، تو اب امام مہدی کے ظہور اور دجال کے وجود میں انکشاف کا مطالبہ کرنا یا اس بحث میں پڑنا یہ مستقل خود ایک فتنہ ہے'' (ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۴۰۵-۴۰۴)

(۵) ۱۹۶۴ھ یا ۱۹۶۵ھ میں حضرت مہدی کی ولادت فرض کرنے کے بعد چالیس سال کا اضافہ کرکے سن عیسوی ۲۰۰۴ء کا حساب لگایا گیا، تو اب سوال یہ ہے کہ چالیس سال شمسی کس دلیل سے فرض کئے گئے؟ چالیس سال عمر کا اضافہ اگر کسی روایت سے کیا گیا ہے، تو روایت میں چالیس سال قمری مراد ہوں گے، اس صورت میں سن عیسوی ۲۰۰۴ء کا حساب منطبق نہیں ہوتا۔

(۶) ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں ولادتِ مہدی ماننے کی تقدیر پر ۲۰۰۴ء میں آپ کے ظہور کی بنیاد بوقت ظہور چالیس سال عمر ہونے پر ہے، اور عام طور پر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ حضرت مہدی ظہور کے وقت چالیس سال کے ہوں گے، لیکن محققین کے نزدیک ایسی کوئی روایت ثابت نہیں ہے جس میں ظہور کے وقت ان کی اس عمر کی تصریح ہو اس اعتبار سے بھی ۲۰۰۴ء میں ظہور مہدی کا قول محل نظر ہوجائے گا،

الغرض ظہور مہدی کے لیے سن ۲۰۰۴ء کے تعین کی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے، اس لیے کسی بھی طرح یہ درست نہیں ہے کہ لوگوں میں اس امر کی تشہیر کی جائے کہ آئندہ سال حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، اس تشہیر میں ایک ضرر یہ بھی ہوا کہ سالِ رواں کئی ایسے اشخاص جن پر شرعاً حج فرض ہوچکا تھا یہ کہہ کر حج کے لیے نہیں گئے کہ آئندہ سال حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، اس لیے ہم آئندہ سال حج کے لیے جائیں گے، حالانکہ آئندہ سال تک ہمارے زندہ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے، پھر اکثر علماء کے نزدیک بلا عذر معقول حج فرض میں تاخیر سے آدمی گنہگار بھی ہوتا ہے۔

دوسرا ضرر یہ ہے کہ اگر آئندہ سال حضرت مہدی کا ظہور نہ ہوا تو جہاں خواہ مخواہ دوسرے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مکتب فکر کے لوگوں کو ہمارے اکابر پر حرف گیری کا موقع ہاتھ لگ سکتا ہے، وہیں ہمارے خیال کے دین سے دور حضرات بھی ہمارے اکابر سے بدظن ہو سکتے ہیں، جب کہ ممکن بلکہ بسا ممکن ہے کہ ہمارے اکابر کی طرف سے قول کی نسبت ہی صحیح نہ ہو۔

تشہیر اس لیے بھی نامناسب ہے کہ فرض کر لیجئے ۲۰۰۰ء میں یا کسی اور معین سال میں حضرت مہدی ظاہر ہونے والے ہوں، تو بھی ہمیں دوسروں کو اس کی دعوت دینے کی یا اس سلسلہ میں کوئی تحریک چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، بلکہ لوگ خود بخود ان علامات سے ان کو پہچان لیں گے، جو صحیح احادیث میں رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں:

ثم ان المهدی الحقیقی لایحتاج الی ان یدعو له احد بل یظهر ه الله للناس اذاشاء ویعرفونه بعلامات تدل علیه (اشراط الساعۃ ص ۲۷۰)

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم آخرت کی تیاری کریں۔ اعمال کی اصلاح کریں اور نفسانی خواہشات ولذات میں انہماک سے باز آئیں، ظہور مہدی کب ہوگا؟ حضرت عیسیٰؑ کا نزول کب ہوگا؟ قیامت کب قائم ہوگی؟ ان امور کی بحث میں مشغول ہونا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا۔ فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ اس بات کی بہت تحقیق کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ عبث ہے، اس کوشش میں لگنا لغو ہے، اس کی بجائے جو اصل کام ہے اس کی کوشش کرنی چاہئے، یعنی آخرت کی تیاری کی کوشش، ایک اعرابی نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ (متفق علیہ)

قرآن مجید میں بھی اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، (یسئلونک عن الساعة ایان مرساها فیم انت من ذکرها الی ربک منتهها انما انت منذرمن یخشها ۷۹/۴۲/۴۵) ﴿بقیہ صفحہ ۲۴/ پر﴾

سوال وجواب

دینی مسائل

دارالافتاء جامعہ ربانی

سوال: جرسی گائے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خنزیر سے اس کا نسلی اختلاط ہے، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں

محمد سلیم الدین نعمانی
بڑاہی، ضلع سمستی پور

جواب: ''جرسی گائے'' ایک پالتو جانور ہے، اور گائے ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے اس کی قربانی جائز ہے، خنزیر سے نسلی تعلق یا اور اس قسم کی باتوں کی کوئی اصلیت ثابت نہیں ہے، اس لیے ان امور میں شک کے بجائے فقہاء کے اس ضابطہ پر نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ جانوروں میں ماں کا اعتبار ہے، (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹)

نیز بکری اور ہرن کے اختلاط سے پیدا ہونے والے بچے کے تعلق سے انہوں نے تصریح کی ہے کہ اگر وہ شکل وصورت میں بکری ہے تو اسکی قربانی جائز ہے، اور اگر ہرن ہے تو جائز نہیں (فتاوی عالمگیری ۵)

جرسی گائے کی قربانی، یا اس کا گوشت یا دودھ استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، **واللہ اعلم بالصواب.**

(اختر امام عادل)

﴿بقیہ صفحہ ۸۲/ پر﴾

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وفیات

رفتید و لے نہ از دلِ ما

مولانا اختر امام عادل

ادھر چند ماہ کے عرصہ میں کئی اہم شخصیتیں ہم سے رخصت ہوگئیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے محفل بالکل سونی پڑگئی، اناللّٰہ و انا الیہ راجعون

''حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب''

حلقۂ دیوبند کے انتہائی نامور بزرگ، فقہ وفتاوی کی دنیا کا معروف نام مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلی حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ چند ماہ کی علالت کے بعد مورخہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کو دہلی کے اسکارٹ ہاسپٹل میں انتقال کر گئے، مفتی صاحب کا سانحۂ ارتحال صرف ان کے خاندان کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ایک بڑا حادثہ ہے، آپ کے انتقال سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا، آپ اس وقت پورے حلقۂ دیوبند (بشمول دہلی، سہارن پور، لکھنؤ) میں سب سے معمر اور بزرگ شخصیت کے حامل تھے، آپ کا دور اہتمام مظاہر علوم کا سنہری دور ہے، اس دور میں مظاہر نے غیر معمولی ترقی کی، آپ انتہائی طویل عرصہ تک مظاہر علوم کے مسندِ اہتمام پر فائز رہے، آخری دور میں مظاہر علوم میں شدید اختلافات رونما ہوئے، اور بالآخر مظاہر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ یہ یقیناً آپ کے لیے بڑے رنج اور صدمہ کی بات تھی، لیکن آپ نے پوری استقامت کے ساتھ تمام حالات کا سامنا کیا، ہمارا گمان ہے کہ یہ تمام حالات آپ کی بلندیٔ درجات کا باعث ہونگے انشاء اللہ، اور ہمیں اللہ سے امید ہے کہ آج

جب وہ جوار رحمت میں پہونچ چکے ہیں تو ان کے ساتھ اللہ کا لطف وکرم اس طرح ہوا ہوگا کہ عمر بھر کی ساری تلخیاں وہ بھول گئے ہونگے، آخر جان اسی راہ میں آپ نے دی ہے

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

حضرت کا لگاؤ کسی نہ کسی درجہ میں جامعہ ربانی سے بھی تھا، آپ نے جامعہ ربانی کے لیے جو تائیدی تحریر بھیجی ہے اس سے ان کے تعلق ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ چاہتے تھے کہ گاؤں گاؤں مدارس اور مکاتب قائم ہوں، اور دین اور علم دین کا سرچشمہ جاری ہوجائے، انہوں نے جامعہ ربانی کے لیے بڑی دعائیں دی ہیں، اللہ ان کی دعاؤں کو قبول کرے اور اس سرچشمۂ فیض کو تادیر باقی رکھے، اور اس کو ظاہری وباطنی ترقیات سے مالا مال فرمائے، آمین۔

حضرت کے انتقال کی خبر ملتے ہی جامعہ کے کارکنان کی تعزیتی نشست ہوئی، اور حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا، جامعہ ربانی کی طرف سے مولانا حافظ محمد سعد اللہ قاسمی (جو ان دنوں میرٹھ میں مقیم تھے) نے مدرسہ مظاہر علوم پہونچکر ارباب مدرسہ اور حضرت کے وارثان کی خدمت میں تعزیت پیش کی، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

''حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادریؒ''

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار، ہندوستان کی صدیوں پرانی واحد خانقاہ ہے، جو اس قدر قدیم ہونے کے باوجود آج تک زندہ اور اپنے اصولوں اور روایات پر قائم ہے، ہزاروں اہل اللہ اس خانقاہ میں پیدا ہوئے، یہاں سے نسبت پائی، اور یہاں کے فیض کو ہندوستان کے مختلف حصوں تک پہونچایا۔ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ میں امارت شرعیہ پھلواری شریف مضبوط اور متحدہ پلیٹ فارم اسی خانقاہ کے ذریعہ قائم ہوا۔ اور حضرت شاہ بدر الدین پہلے امیر شریعت مقرر ہوئے، اور ان کے بعد دو مسلسل امراء شریعت (حضرت مولانا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شاہ محی الدین اور حضرت مولانا شاہ قمر الدین) بھی اسی خانقاہ سے ہوئے ،اس طرح یہ خانقاہ اپنی روایات ،اصول پرستی اور خدمات کے لحاظ سے برصغیر کی منفرد خانقاہ ہے،اس خانقاہ کے سجادے یا بزرگ عموماً باہر نہیں نکلتے ،لیکن ان کے ساتھ لوگوں کی عظمت واحترام کا عالم یہ تھا کہ مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ جب خانقاہ کے بزرگ ہاتھی پر بیٹھکر عظیم آباد یا پھلواری کی آبادی میں کسی ضرورت کے تحت نکلتے ،تو عوام وخواص دورویہ کھڑے ہوکران کے گذرنے کا منظر دیکھتے اوران کوسلام کرتے ، یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر چڑھ کران کی ایک جھلک دیکھ لینا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتیں۔

مولانا شاہ رضوان اللہ قادری اسی خانوادے کے چشم وچراغ تھے اور بعد میں اس خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے ، ابتدائی تعلیم خانقاہ ہی میں ہوئی، اس دور میں وہ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کے رفیق درس ہوئے ، اس کے بعد وہ مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں داخل کئے گئے ،اوروہیں سے تعلیم کی تکمیل کی ، وہاں کے اساتذہ سے فیض پایا،مولانا مقبول صدیقی سے آپ نے خاص استفادہ کیا، ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں ان کی شادی ہوئی ،۱۹۸۵ء میں والد ماجد حضرت شاہ امان اللہ قادری کے وصال کے بعد سجادہ نشیں بنائے گئے ، ان کے عہد سجادگی ہی میں وہاں کی قدیم مسجد کی تعمیر جدید ہوئی، اورخانقاہ کے دوسرے حصوں میں بھی جدید کاری کی گئی، ابھی چند سال قبل پھلواری شریف حاضری کے موقعہ پر ان سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تھی ، وہ بہت صحتمند اور چاق وچوبند تھے، بڑی محبت واخلاص سے ملے، اورگھر سے خاطر مدارات فرمائی ،لیکن ادھر کچھ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے،گردہ میں تکلیف تھی ،علاج جاری تھا، کچھ عرصہ ہاسپیٹل میں بھی رہے،لیکن وقت موعود آپہونچا اور زندگی کی صرف اکسٹھ بہاریں دیکھی تھیں کہ ۲رجنوری ۲۰۰۴ء بروز بدھ صبح ساڑھے نو بجے جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی،انا للہ و انا الیہ راجعون ،

میرا اس خانقاہ سے بڑا گہرا اورخاندانی تعلق ہے، میرے جدامجد حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسنؒ منورواوی اس خانقاہ کے صاحب نسبت بزرگ حضرت شاہ عبیداللہ پھلواریؒ سے بیعت اوران کے مجاز تھے، میرے نانا حضرت حاجی جمیل احمدؒ، حضرت شاہ محی الدینؒ پھلواری سے بیعت تھے، میرے نانا اس خانقاہ سے والہانہ محبت رکھتے تھے، وہاں کے مدرسہ کواپنے صدقہ کے مخصوص لوگوں سے تعاون لے کر بھیجا کرتے تھے، میرے نانا خود ایک رئیس اورصاحب جائداد شخص تھے،ان کی اس دلچسپی اورمحبت سے پورے علاقہ میں اس خانقاہ کی عقیدت عام ہوگئی، اوراس علاقہ کے کئی لوگ اس خانقاہ سے منسلک ہوئے ، خانقاہ کوبھی میرے نانا پراعتماد تھا، جب خانقاہ کے پلیٹ فارم سے امارت شرعیہ کا نظام قائم ہوا،اور دارالقضاء کا سسٹم جاری ہوا،توعلاقہ سمستی پور کے لیے نائب قاضی کے طور پر(جس کا کام رپوٹیں اورسماعتیں لکھ کر بھیجنا ہوتا تھا) میرے نانا کا نام انتخاب کیا گیا، خانقاہ تشریف لے جایےتو چھوٹے بڑے سارے ہی لوگ ان کا لحاظ کرتے تھے۔

میرے والد ماجد نے ابتدائی تعلیم اسی خانقاہ کے مدرسہ مجیبیہ میں پائی ،اورکئی سال اس پاکیزہ ماحول میں گذارے، شاہ رضوان والد صاحب کے بچپن کے ساتھیوں میں تھے، اوراس دور کے چند مخصوص طلبہ جن کوحضرت کی حویلی میں جانے کی اجازت تھی،ان میں ایک میرے والد بھی تھے،شاہ رضوان اس دور میں بہت پھرتیلے اور چلبلے ہوا کرتے تھے،لیکن میں نے جب ان کوسجادی کے آخری دور میں پہلی مرتبہ دیکھا تو انتہائی سنجیدہ متحمل اور باوقار پایا، وقت کس طرح رخصت ہوجاتا ہے، حالات کس طرح بدل جاتے ہیں، اورزندگی وقفہ وقفہ سے کتنے رنگ دیکھاتی ہے، بڑی عبرت ہے ان چیزوں میں،اورمیری اپنی طبیعت کی رَواسی کھوئی ہوئی حقیقتوں کی جستجو میں رہتی ہے،

ع میری تمام زندگی کھوئے ہوؤں کی جستجو

وہاں والد صاحب کے شفیق اساتذہ میں حضرت شاہ امان اللہ قادری کے علاوہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت شاہ عون احمد قادری بھی تھے، شاہ عون صاحب والد صاحب کو شاہ صاحب ہی کے لقب سے یاد کرتے تھے، والد صاحب کی نسبت سے وہ مجھ سے بھی بہت محبت فرماتے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا بدر احمد مجیبی ندوی میرے خاص اہل تعلق میں سے ہیں، وہ اپنے عظیم باپ کے نہایت صالح فرزند ہیں، لکھنے پڑھنے اور تحقیق وتصنیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، ان سے تعارف فقہی سمیناروں میں ہوا، اور ان کی نسبت کا علم ہوا تو محبت وقربت میں اضافہ ہوتا گیا،، شاہ رضوان صاحبؒ ،مولانا بدر احمد مجیبیؒ کے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں اور بہنوئی بھی۔

اس طرح اس خانقاہ اور شاہ رضوان صاحب سے ہمارا قدیم خاندانی تعلق ہے اس طرح شاہ صاحبؒ کا حادثۂ وصال ہمارا ذاتی حادثہ ہے، اور اس حادثہ پر ہم سب سوگواروں اور مستحق تعزیت ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے۔ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور نئے سجادہ نشیں جناب آیت اللہ قادری کی سجادگی کو خود ان کے حق میں خانقاہ کے حق میں اور متعلقین ومنتسبین کے حق میں مفید، بافیض اور باعث خیر بنائے، آمین۔

''حاجی نعیم صاحب مرحوم'' (بذرگاؤں)

چند ہفتے قبل جناب حاجی نعیم نے بھی ہمیں داغ مفارقت دے دی، حاجی صاحب کٹیہار بہار کے گاؤں بذرگاؤں کے رہنے والے تھے، میرے جدامجد حضرت حاجی احمد حسن منورواویؒ سے بیعت تھے البتہ تعلیم میرے والد بزرگ وار سے پائی، میرے جدامجد کے منتسبین کا بڑا حلقہ بنگال، کٹیہار، اور پورنیہ بہار میں پایا جاتا ہے، جدامجد کی جوانی کا ایک بڑا حصہ اس علاقہ میں گذرا ہے، وہ حکیم بھی تھے اور عالم دین بھی اس طرح وہاں ان کا مطب بھی قائم تھا اور علم وروحانیت کی بساط بھی بچھی ہوئی تھی، وہ ایک صاحب کمالات اور بحرالعلوم شخص تھے، طاقتور نسبت اور قوی تاثیر کے مالک تھے، قدیم پورنیہ آج سے نصف صدی قبل جاگیرداروں زمینداروں پٹی داروں، اور بڑے بڑے رئیسوں کی سرزمین تھی، اور وہ سب

مسلمان تھے، ہزاروں بیگھہ زمینات کے مالک تھے، اہل علم اور علم نواز تھے، پورنیہ اس دور میں علم اور دولت دونوں لحاظ سے مالا مال تھا، اسی لیے اہل علم اور اہل فن وہاں کا رخ کرتے تھے، وہاں ان کے قدرداں موجود تھے، اب وہ بات جاتی رہی ۔

گئی بات کوہ کن کوہ کن کے ساتھ

حاجی نعیمؒ صاحب اسی دور کی بقیات میں سے تھے، انہی روایات کے امین، انہی اصولوں کے پابند اور انہی خیالات کے مالک تھے، وہ ایک رئیس ،صاحب دولت، اور صاحب عزت انسان تھے، آج وہ ہم میں نہیں رہے، زبان سخت تھی، اس لیے بعض لوگ ان سے نالاں رہتے تھے، لیکن اب وہ کفن لپیٹ کر ایسی جگہ جاچکے ہیں جہاں سے ان کی آواز کوئی نہیں سن سکتا ہے، بقول غازی بدایونی

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ان کی عمر قریب پچھتر برس تھی، اپنے پسماندگان میں انہوں نے چھ صاحبزگان ،مختار، فیاض، ریاض، رضوان، مولانا اظہار الحق، اور حافظ معراج کو چھوڑا ہے، اللہ ان کو صبر جمیل سے نوازے اور ان کو ان کا صحیح جانشیں بنائے، آمین۔

''حاجی ابوسعید (مالکوٹ)''

پورنیہ میں میرے جدامجد کی ایک اور یادگار جناب حاجی ابوسعید بھی کچھ دنوں قبل راہی ملک بقاء ہوئے، یہ مالکوٹ کے رہنے والے اور بڑے رئیس تھے، اور پورنیہ کی جاگیردارانہ روایات کے امین، علم دوست اور علم نواز، فیاض اور صاحب اخلاق انسان تھے، قریب پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا، انہوں نے اپنی جسمانی یادگار میں صرف ایک صاحبزادہ تنویر اور اعزاء واقرباء کو چھوڑا ہے، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے آمین۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

’’مولانا علاء الدین قاسمی‘‘

مولانا علاء الدین مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی چل بسے، وہ ایک باصلاحیت عالم دین اوراچھے خطیب تھے، ان کے حادثہ کی خبر سن کر جامعہ ربانی کی فضاء سوگوار ہوگئی، ان کے لیے دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، دارالعلوم دیوبند سے ان کی نسبت کوقبول کرے، اوراس کوان کی بلندئ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

’’مولانا مفتی محمد افضل حسینؒ‘‘

دارالعلوم اسلامیہ بستی کے صدر مفتی مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحب بھی دو ماہ کی علالت کے بعد پانچ شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ کوممبئی کے ایک ہسپتال میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون،

مفتی صاحب ایک نیک صالح، عالم باعمل انسان تھے، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی کے مجاز بیعت تھے، تقریبا بیس سال سے دارالعلوم اسلامیہ بستی میں درس وتدریس اورافتاء کی خدمت انجام دے رہے تھے، وقت کے پابند اوراصول پسند انسان تھے، مجھ سے متعدد سیمناروں میں ملاقات ہوئی، بڑے اخلاق ومحبت سے ملے، اورجب ملے اپنی کوئی نہ کوئی کتاب ہدیہ میں پیش کی، وہ سادہ طبیعت کے ایک خاموش انسان تھے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی زلات کومعاف کرے، آمین۔

’’مولانا اکبرالدین قاسمی‘‘

آہ! مولانا اکبرالدین قاسمی بھی چل بسے، حیدرآباد شہر کے ممتاز عالم دین، نامور خطیب اورصاحب قلم، کئی دینی اداروں: مدرسہ ریاض الاسلام، مدرسہ ریاض البنات، مدرسہ روضۂ البنات، اورمجلس علمیہ کے ذمہ دار، اورمتعدداداراں اورتحریکات کے سرپرست اب اس دنیا میں نہیں رہے، ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ ہم دونوں دارالعلوم حیدرآباد میں مدرس تھے، قریب پانچ چھ سال تک ہم دونوں اس ادارہ میں ساتھ رہے، خوردوکلاں کے بین تفاوت

کے باجود بڑی حد تک ہم دونوں کے مزاج میں مناسبت تھی، طلبہ کی انجمن کے وہ سرپرست تھے میں پہونچا تو مجھے نگراں بنادیا گیا، یہ سرپرستی اورنگرانی اس وقت تک ہم رشتہ رہی جب تک کہ وہ دارالعلوم سے علیحدہ نہیں ہوگئے،

بڑے ظریف الطبع، خوش گفتار، خوش اخلاق اورمرنجامرنج انسان تھے کاموں کا ایک بوجھ لئے، وعدوں اور پیمانوں کا پٹارہ لئے پھرتے تھے، ہروقت وہ کسی نہ کسی کام میں مشغول نظر آتے، انتظامی ذوق اچھا تھا، لوگوں سے ملنے جلنے کا انداز بھی پیارا تھا، اس لیے ان پرمتعدد اداروں کا انتظامی بوجھ تھا جس دور میں وہ دارالعلوم حیدرآباد سے وابستہ تھے، اس وقت ان کے پاس صرف ایک عدد مدرسہ ریاض الاسلام تھا، اوروہ بھی معمولی رفتار میں چل رہا تھا، دارالعلوم سے علیحدگی کے بعدان کی صلاحتیوں اورقوتوں کوارتکاز ملا، اورانہوں نے اپنے ادارے پر پوری توجہ کی، لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ بھی کھول دیا، ایک کے بعد دوسرا مدرسہ بھی لڑکیوں کا وجود میں آگیا، مجلس علمیہ کے بھی روح رواں وہی تھے، اس طرح انتظامات کا ایک بوجھ تھا جس کے تلے وہ ہروقت دبے رہتے تھے اس لیے علمی امور پران کوتوجہ دینے کی مہلت نہیں ملی، انتظامی میدان میں انہوں نے اچھا کام کیا، سینکڑوں لوگوں کوان کی ذات سے فائدہ پہونچا، کم ازکم آندھراپردیش میں ان کی شخصیت بہت زیادہ متعارف تھی، ان سے آخری ملاقات محبوب نگر کے جلسہ میں ہوئی حضرت مولانا عاقل حسامی کی صدارت تھی، میرے بعد خطاب انہوں نے ہی کیا تھا، پھر راتوں رات مولانا عاقل صاحب کی سربراہی میں ہم لوگ واپس حیدرآباد پہونچے،........اف اب یہ سب خواب وخیال بنکر رہ گیا۔

حیدرآبادی علماء میں جس قدر اعتدال، سنجیدگی، توسع اورتحمل میں نے مولانا اکبر الدین میں پایا بہت کم لوگوں میں پایا، وہ ایک اچھے انسان تھے، اوراچھے لوگوں سے مجھے محبت رہی ہے،............اوررہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب وہ مجلس علمیہ سے ’’قرطاس وقلم‘‘ نکالا کرتے تھے، آندھرا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پردیش میں اس کے علاوہ کوئی دینی رسالہ یا اخبار نہیں تھا، بڑی مقبولیت تھی اس قرطاس کی اس پرچہ سے میرا بھی قلمی رشتہ تھا بعد میں وہ قرطاس بند ہوگیا، اور حیدرآباد پر کئی دوسرے رسالے جگمگانے لگے، مگر حیدرآباد کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہاں کوئی رسالہ تادیر زندہ نہیں رہ پاتا، جب کہ وہاں نہ اہل قلم کی کمی ہے، اور نہ اہل زر اور پریس کی، قارئین بھی خوب ہیں، میں خود بھی ایک رسالہ دارالعلوم حیدرآباد اور امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش کے ترجمان ''ماہنامہ حسامی'' کا مدیر رہا، اور مسلسل تین سال تک پابندی کے ساتھ رسالہ نکالتا رہا، اس تسلسل کا بڑا اچھا پڑا، کافی خریدار ہوگئے، اور یہ رسالہ ملک بھر میں پھیل گیا، مگر تین سال بعد اس کو بند کردینا پڑا، اس کے علاوہ میں نے کئی ماہناموں کا یہی حشر دیکھا ''قرطاس وقلم'' اس لحاظ سے بڑا خوش نصیب پرچہ تھا وہ بہت دنوں تک زندہ رہا، میں نے اس کی مقبولیت اور شباب کا دور بھی دیکھا ہے، اور انحطاط کا بھی، یہاں تک کہ اس کی موت بھی دیکھ لی، وہ قرطاس وقلم کے لیے علماء سے چندہ بھی خود وصول کرتے تھے، مرتب بھی خود ہی کرتے، کاتب اور پریس کا چکر بھی خود ہی لگاتے، شاید ڈاک کی ذمہ داری کے لیے دفتر کا کوئی ملازم ہوتا ہوگا، .....طبیعت میں انتہائی سادگی تھی، زیادہ ٹیپ ٹاپ اور تکلف ان کو ناپسند تھا، ان کو میں نے کبھی خوش لباس نہیں پایا، حالانکہ بعد میں ان کے پاس پیسہ بہت آگیا تھا، مگر وہی پرانی صدری، معمولی رنگ کا کرتا پاجامہ اور ٹوپی، چہرہ پر بھی وہی دیہاتیوں کی سی معصومیت، طبیعت میں نستعلیقیت نہیں تھی، قرطاس وقلم کی صورت ومعنی کا بھی وہی حال تھا، ایک بار ان کے مدرسہ ریاض الاسلام حاضری کا اتفاق ہوا، تو وہاں دفتر میں بھی وہی بے ترتیبی محسوس ہوئی، ان کی زندگی ترتیب اور خوش سلیقگی کے تکلفات سے پاک تھی وہ بے تکلف اور ہنگامی زندگی گزارنے کے عادی تھے، اور میرے خیال میں یہ جنتی لوگ کی شان ہے،

آج بعض ٹیپ ٹاپ والوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اپنا ظاہر تو سنوار لیا ہے پتہ نہیں باطن کا کیا حال ہے،

پتہ نہیں کہاں سفر میں جارہے تھے کہ ایکسیڈینٹ ہوگیا، ان کی تو ساری زندگی ہی سفر تھی

مولانا بشیر احمد حسامی نے مجھے فون پر ان کے ایکسیڈینٹ کی خبر دی اور بتایا کہ وہ سکتہ کی کیفیت میں ہیں، میں یہ خبر سن کر سکتہ میں آگیا، مورخہ ۲۹/جنوری ۲۰۰۴ء میرے برادر عزیز مولانا رضوان احمد قاسمی نے خبر دی کہ کل ان کی موت ہوگئی ہم لوگ جنازہ میں جارہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کے جانے سے ایک تاریخ بنتے بنتے رک گئی، ایک داستان تھی جو ادھوری رہ گئی، ایک کتاب تھی جس کا ورق پلٹ دیا گیا، جامعہ میں ان کے لیے دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا، وہ میرے مخلص ومحبوب تھے، کسی کے ہوں یا نہ ہوں قوم کے مخلص ضرور تھے، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھردے، بہت تھوڑی زندگی پائی، اور بڑا کام کرگئے، ان کے مرنے پر ان کی عجلت پسندی اور بے انتہا مصروفیت کا راز سمجھ میں آیا وہ اپنے حصہ کا کام جلد از جلد کرلینا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے حصہ کا کام کرلیا، اور دنیا سے چلے گئے، اللہ کرے کہ ان کے جانشیں ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو ان کے اصول اور مزاج کے مطابق آگے بڑھائیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

﴿بقیہ صفحہ ۷۲/کا﴾

سوال: ہمارے یہاں رواج ہے کہ بوقت نکاح دولہا دولہن کو ایجاب وقبول سے قبل کلمۂ طیبہ پڑھاتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ اگر بوقت نکاح کلمہ نہ پڑھایا جائے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ (محمد شاکر جمال شمسی مدھوبنی)

جواب: بوقت عقد نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور صحابہ ومجتہدین سے منقول نہیں ہے، البتہ دولہا ودولہن کے عقائد کے بارے میں شبہ ہو تو کلمہ پڑھانا ضروری ہے، لیکن عام مسلمانوں کے لیے اس التزام کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ نکاح کے لیے اس کو ضروری سمجھ لیا جائے تو اس کو ترک کردینا ضروری ہے، عام مسلمانوں کا نکاح کلمہ کے بغیر بھی ہوجاتا ہے، اس کو ہرگز ضروری نہ سمجھا جائے واللہ اعلم بالصواب (فتاوی محمودیہ ج ۷ ص ۳۹۴)

اختر امام عادل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تنقید وتبصرہ

نگرانِ رسالہ

ادارۂ اشاعت الاسلام برطانیہ کی مطبوعات

نوٹ:— تبصرہ کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے!

ادارہ اشاعت الاسلام برطانیہ کی بعض مطبوعات،

کتاب: فضائل دعا

مرتب: الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی

صفحات: ۴۱۹ر

قیمت: درج نہیں

کتابت معیاری، طباعت صاف ستھری، پاکیزہ ٹائٹل مجلد دیدہ زیب رنگین، کاغذ عمدہ۔

الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی، ایک صالح، متقی، داعی، مبلغ اور اصلاح پسند شخص ہیں، عمر کا بڑا حصہ اکابر اہل اللہ اور علماء کی صحبت میں گذارا، اپنے گھر سے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا، اور یورپ کے تاریک ماحول میں ہدایت کا چراغ جلایا، اسلامی اسکول قائم کرنے کی تحریک چلائی، جس کے بڑے خوشگوار نتائج سامنے آئے، آج یورپ میں مدارس، مکاتب مساجد اور دینی اداروں کو دیکھ کر اس پر ہندوستان کا گمان ہوتا ہے، باوا صاحب غالبا یورپ میں تنہا شخص ہیں جن کے پاس پانچ لڑکیاں ہوئیں، اور پانچوں نے گھر ہی کی تعلیم کی بدولت حفظ قرآن مکمل کیا، دو صاحبزادے اور دونوں عالم ربانی، اور بزرگوں کے مجاز ہیں مولانا اقبال مظاہری رنگونی اور مولانا بلال مظاہری رنگونی، آج ان دونوں صاحبزادگان سے بھی اللہ بڑا کام لے رہے ہیں، دونوں صاحب تصنیف ہیں، کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں بالخصوص مولانا اقبال صاحب تو درجن سے اوپر کتابوں کے مصنف ہیں، فرق باطلہ پر اچھی نگاہ رکھتے ہیں، مولانا بلال کو اللہ نے بڑی تاثیر اور سلیقہ سے نوازا ہے، عوام میں مقبولیت ہے، خوش اخلاق، متواضع، اور فیاض انسان ہیں، اور یہ

سب ثمرہ ہے باوا صاحب کی پرخلوص محنت اور تربیت کا،

باوا صاحب جس فکر، درد اور کرب کے حامل ہیں، اس دور میں اس کی مثال کم ملتی ہے، ان کا حال میں نے خود دیکھا بقول امیر مینائی

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیرؔ ☆ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

باوا صاحب برما میں تھے تو تبلیغ سے وابسطہ ہوئے اور اس وابستگی نے ان کی زندگی میں دینی انقلاب برپا کیا، انہوں نے اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، بڑے کاروبار کے مالک تھے، بہت سارا مال راہ خدا میں لٹا دیا، اس جماعت کو وہ اپنی جماعت سمجھتے ہیں، اس لیے اپنے گھر میں ہونے والی بے ترتیبی سے ان کو بہت دکھ ہوتا ہے، اس دکھ اور کڑھن نے ان کو دل کا مریض بنا دیا ہے، اور یہی دکھن ان کے نوکِ قلم پر آتی ہے، تو کتنوں کے دل دکھ جاتے ہیں۔

بغض فی اللہ اور حب فی اللہ پر عمل کرنا ایمان کا اعلی ترین مقام ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس مقام پر فائز ہو پاتے ہیں، باوا صاحب الحمدللہ اس دور میں اس مقام پر فائز ہیں،

باوا صاحب باقاعدہ عالم دین نہیں ہیں لیکن علماء اور اہل اللہ کی صحبت نے ان پر عملی رنگ چڑھا دیا ہے، بقول شیخ سعدیؒ

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان کو لکھنے پڑھنے کا شعور بھی ہے، ہر ماہ ''ماہنانہ الاسلام''، ''ماہنامہ التبلیغ'' تن تنہا پابندی کے ساتھ نکالتے ہیں، نہ کسی سے زر کا مطالبہ اور نہ مضامین کا' دینی اور دعوتی موضوعات پر متعدد کتابیں بھی ان کے قلم سے نکل چکی ہیں ان ہی میں ایک کتاب ''فضائل دعا'' بھی ہے،

فضائل کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں ہیں، ابھی ''فضائل دعاء'' کی پہلی جلد آئی ہے، جس پر حضرت مولانا مفتی نظام الدینؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی تقریظ ہے، مفتی صاحب نے اس کتاب کی توثیق فرمائی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب اول: دعاء اور اس کے احکام وآداب، فضائل، شرائط اور فوائد۔

باب دوم: قرآن مجید کی دعائیں مع تراجم، ضروری تشریحات اور واقعات۔

باب سوم: اسماء اللہ الحسنیٰ، مع خاصیات، فضائل وفوائد۔

باب چہارم: اسم اعظم، مع فضائل وفوائد اور واقعات۔

باب پنجم: اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

باب ششم: درود وسلام، فضائل وفوائد، تشریحات وبرکات۔

باب ہفتم: توبہ واستغفار، فضائل وفوائد، تشریحات اور واقعات۔

جلد دوم جو آنے والی ہے وہ بھی سات ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: مسنون دعائیں (۲۴ گھنٹے کے معمولات)

باب دوم: کلمہ طیبہ کے فضائل وفوائد۔

باب سوم: کھانے پینے کے آداب اور دعائیں۔

باب چہارم: سفر کے آداب اور دعائیں۔

باب پنجم: اعمال جمعہ۔

باب ششم: حاجات کا بیان اور نماز ودعائیں۔

باب ہفتم: روزی کے احکام اور دعائیں ووظائف۔

اس طرح یہ کتاب (اگر دونوں جلدیں آجائیں تو) دعاء کے موضوع پر ایک جامع کتاب اور انسائیکلوپیڈیا ہے، اردو زبان میں اس موضوع پر اتنی جامع کتاب نہیں تھی، اللہ جزائے خیر دے باوا صاحب کہ انہوں نے محنت کرکے یہ مجموعہ عوام وخواص کے لیے تیار کردیا، اللہ ان کی اس محنت کو قبول کرے۔ ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، اور اس کتاب کو مقبولیت عطاء فرمائے، آمین۔

(۲) ''فضائل واعمال رمضان المبارک''

صفحات: ۲۷/ قیمت درج نہیں۔

باوا صاحب کی اس کتاب میں رمضان المبارک کے فضائل اور اس کے متعلقہ ضروری اعمال کا بیان ہے، کتاب صورۃً ومعنیً دونوں لحاظ سے اچھی ہے، اور مختصر ہونے کے باوجود مفید ہے۔

(۳) ''فضائل عید''

صفحات: ۴۰/ قیمت درج نہیں۔

یہ کتاب بھی باوا صاحب کی مرتب کردہ ہے، اس میں عید کے فضائل ومسائل اور دعائیں اور ضروری اسلامی ہدایات بیان کی گئی ہیں، ایمانی احساسات کی عکاسی بھی بڑے خوبصورت انداز میں کی گئی ہے، اکابر میں حضرت تھانویؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کی بعض تقاریر اور تحریرات کے اقتباسات سے کتاب کی قیمت واہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

(۴) ''دین وایمان کی دو باتیں''

صفحات: ۱۶/ قیمت درج نہیں۔

اس مختصر کتابچہ میں باوا صاحب نے احادیث وروایات سے ان دو چیزوں کو جمع کیا ہے، جو کسی روایت میں ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں، مثلاً دو افضل کلمے، دو افضل شخص، دو چیزوں کا پکڑنا، دو آنکھیں، دو چیزوں کی ضمانت، دو فرشتے، نیکی کے دو کام، دو معجزے، دو حسد قیامت کی دو نشانیاں، وغیرہ تقریباً پچاس عنوانات کے تحت ان مثنیٰ چیزوں کو بیان کیا گیا ہے، اس طرح اس کتابچہ کا موضوع اپنے اندر کافی ندرت رکھتا ہے، اس کے لیے باوا صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ ان کی محنت کو قبول کرے، اور اس کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے،

(۵) ''پچاس قرآنی اعمال''

صفحات: ۱۶/ قیمت درج نہیں۔

اس کتابچہ میں مختلف امراض اور اغراض کے لیے قرآنی آیات اور دعاؤں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے، اور ان کی کیا تاثیر ہے وہ بیان کی گئی ہے، کتاب اچھی اور مفید ہے، اللہ تعالیٰ قبول کرے، آمین۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رپورٹ

کل ہند امدادیہ دارالتبلیغ کا قیام

مولانا عبدالمنان صاحب

مورخہ ۳۰؍دسمبر ۲۰۰۳ء مطابق ۴؍ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ بروز منگل بوقت بعد نماز عصر مدرسہ عربیہ امدادیہ، الٰہ آباد کے سنگ بنیاد کے عظیم الشان موقع پر ایک اہم نشست بمقام مہیوابر مکان جناب قاسم صاحب بھٹہ والے بوقت دس بجے شب ہوئی، اس اہم نشست کی صدارت جلسۂ سنگ بنیاد کے مہمان خصوصی جناب مولانا ڈاکٹر ندیم شاہ صاحب دہلوی مدظلہ العالی نے فرمائی جس میں باہمی مشورے سے مندرجہ باتیں طے کی گئیں۔

(۱) ایک تنظیم قائم کی جائے جس کا نام کل ہند امدادیہ دارالتبلیغ رکھا جائے۔

(۲) کل ہند امدادیہ دارالتبلیغ کے امیر (فی الحال) مولانا احمد نصر مدظلہ العالی بنارسی (مہتمم مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس کینٹ) ہوں گے۔

(۳) نائب امیر (فی الحال) مولانا ڈاکٹر حارث ندیم صاحب دامت برکاتہم (مہتمم عالی وشیخ الحدیث مدرسہ دعائیہ صدر بازار دہلی) ہوں گے۔

(۴) عارضی سکریٹری مولانا عبدالمنان قاسمی ہوں گے۔

(۵) فی الحال اس کے تین صوبائی مراکز اور ایک کل ہند مرکز قائم کیے جائیں گے۔

(۶) کل ہند مرکز نئی دہلی کے کسی علاقے میں قائم کیا جائے گا۔

(۷) صوبہ یوپی کا مرکز (ضلع الٰہ آباد) ہوگا۔

(۸) صوبہ بہار کا مرکز منورواشریف (سمستی پور بہار) وخانقاہ امدادیہ جے پور

ضلع بانکا بہار ہوگا۔

(۹) صوبہ دہلی کا مرکز فی الحال پرانی دہلی میں مولانا حارث ندیم صاحب کا گھر ہوگا اور وہی اس کے مکمل ذمہ دار ہوں گے۔

(۱۰) سہ ماہی دعوت حق کو امدادیہ دارالتبلیغ کا ترجمان قرار دیا گیا۔

(۱۱) آئندہ اس کی دوسری نشست انشاء اللہ ۲۸؍مارچ کو بنارس میں ہوگی۔

مذکورہ بالا نشست میں جن علماء کرام نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا احمد نصر صاحب مدظلہ العالی بنارس (امیر)

(۲) مولانا حارث ندیم شاہ صاحب مدظلہ العالی دہلی (نائب امیر)

(۳) مولانا ومفتی اختر امام عادل صاحب قاسمی مدظلہ العالی سمستی پور بہار (رکن)

(۴) مولانا سعد اللہ صاحب قاسمی میرٹھ (رکن)

(۵) حکیم محمد یعقوب صاحب الٰہ آباد (رکن)

(۶) حافظ وقاری محمد ابراہیم صاحب الٰہ آباد (رکن)

(۷) مولانا عبدالمنان قاسمی الٰہ آباد (رکن)

(۸) مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب ارریہ بہار (اعزازی رکن)

(۹) مولانا مفتی انوار الحق صاحب پورنیہ بہار (اعزازی رکن)

(۱۰) مولانا حدیث اللہ صاحب ارریہ بہار (اعزازی رکن)

(۱۱) عبدالمنان القاسمی کل ہند امدادیہ دارالتبلیغ صوبائی مرکز الٰہ آباد

☆☆☆

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آپ کے خطوط

محترم جناب مولانا احمد نصر صاحب بنارسی.....زیدت مکارمہ

امام وخطیب جامع مسجد.....بنارس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید کہ بخیر وصحت ہوں گے، آپ لکھنؤ تشریف لائے اور ملاقات ہوئی مسرت حاصل ہوئی، اللہ تعالی آپ کی دینی وسماجی کوششوں کو قبول فرمائے، اور برکت عطاء فرمائے،

آپ نے اپنی اعزازی ادارت میں نکلنے والے ایک سہ ماہی رسالہ سے واقف کرایا، اور ایک نمونہ اس کا دیا، اس پرچہ کا یہ شمارہ جو آپ نے دیا، میں نے دیکھا اور پسند آیا، خانون اسلام کے سلسلہ میں متلعقہ دینی وسماجی معلومات اور آراء، کو اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے، اور اچھے اصحاب قلم کے رشحات قلم ہیں، اس سے پرچہ کے وقیع ہونے کا پتہ چلا، امید ہے کہ یہ پرچہ جو ابھی نوخیز ہے، اس سے اچھا اثر ظاہر ہوگا، اور قارئین کے ذہنوں کو اسلامی رنگ کے مطابق اچھی غذا فراہم ہوگی، میری طرف سے اس اچھے کام کی قدردانی قبول کریں، دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام

محمد رابع حسنی ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۱/۵/ ۲۴ھ

برادر محترم جناب مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے، آپ کی زیر نگرانی شائع ہونے والا رسالہ سہ ماہی دعوت حق شمارہ ۲ موصول ہوا، ماشاء اللہ رسالہ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے بہت اچھا ہے، آپ کی محنت اور صلاحیت قابل قدر ہے، اس شمارہ میں شائع شدہ خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلا شمارہ

تبلیغ کے موضوع سے معتلق تھا، اگر وہ شمارہ آپ کے پاس موجود ہو تو ضرور ارسال فرمائیں۔

قاضی مجاہد الاسلامؒ پر لکھے گئے میرے مضمون پر مولانا تنظیم عالم قاسمی نے اظہار خیال کیا ہے، بہت اچھا ہے، کہ ہمارے نوجوان عزیز جرأت وہمت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں، مجھے اس سے خوشی ہوئی۔ والسلام

(مفتی) فضیل الرحمٰن بلال عثمانی

دارالسلام اسلامی مرکز مالیر کوٹلہ ۱۶/۹/۲۰۰۳ء

مکرمی ومحترمی جناب مولانا اختر امام عادل صاحب حفظکم اللہ ورعاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

آپ کے مؤقر رسالہ ''دعوت حق'' کا تیسرا شمارہ جناب مولانا احمد نصر صاحب بنارسی زید مجدہ کے توسط سے موصول ہوا، پسند آیا، ظاہری شکل وصورت اور ترتیب وتزئین کے اعتبار سے کافی حد تک جاذب نظر ہے، اور مضامین بھی ماشاء اللہ وقیع اور معیاری ہیں، تعلیم نسواں کے تعلق سے خاصا مواد یکجا کر دیا گیا ہے، جس سے مسئلے کے ہر پہلو پر غور وفکر کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

اسلام نے تعلیم پر بے حد زور دیا ہے، اور اتنی تعلیم کو بہر حال ضروری قرار دیا ہے، جس سے شریعت کے بنیادی ارکان کی ادائیگی بآسانی ہو سکے اور اس سلسلے میں مرد وزن کے درمیان تفریق نہیں کی ہے، جس طرح مرد کے لیے امور شریعت کی واقفیت لازم ہے اسی طرح عورت بھی ان کے جاننے کی مکلّف ہے، اور اسے جاننا بھی چاہئے، اس وجہ سے کہ حصول علم کے مواقع فراہم ہونے کے باوجود اگر وہ جاہل رہتی ہے، تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہوگی، چنانچہ مسئلہ خیار بلوغ میں عذرِ جہالت تسلیم نہیں کیا جاتا ہے، لہذا عورتوں کو بھی زیور علم سے آراستہ ہونا نہایت ضروری ہے۔

البتہ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اس کے حل کی ایک شکل تو یہ ہے کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بچیوں کی تعلیم کا نظم گھریلو انداز سے ہو جو تمام اندیشہائے دور دراز سے پاک ہے، لیکن یہ صورت آج کے مصروف ترین دور میں کوئی آسان کام نہیں ہے، اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ حسب استطاعت غیر اقامتی ادارے قائم کئے جائیں، اور بچیاں تعلیم کے علاوہ دیگر اوقات میں اپنے والدین کی نظروں کے سامنے رہیں بچیوں کی تعلیم وتربیت بہت ہی نازک اور اہم کام ہے۔ اس کے لیے محتاط طریقہ اپنانا ہی خیر کا باعث ہوگا۔ بلاشبہ یہ موضوع بہت ہی سنجیدگی، فکرمندی، اور تعمق نظری کا متقاضی اور اصحاب فکر ونظر کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔

رسالہ کا جرأت مندانہ طرز تحریر پسند آیا، خدا کرے ہر گام پر کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہو۔ امید کہ بخیر ہوں گے۔ والسلام

خورشید انور اعظمی

صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس ۲۱/ ۱/ ۲۰۰۴ء

گرامی قدر جناب مولانا احمد نصر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

سہ ماہی ''دعوت حق'' کا تازہ شمارہ (تعلیم نسواں) باصرہ نواز ہوا، گذشتہ دونوں شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی اپنی عمدہ کتابت اور طباعت کے اعتبار سے قابل پذیرائی تو ہے ہی آپ حضرات نے خصوصی اشاعت کے لیے تعلیم نسواں جیسا عنوان اٹھا کر ایک نہایت قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیم نسواں ایک نہایت ضروری چیز ہے، لیکن کسی بھی چیز کے مثبت نتائج اس وقت سامنے آسکتے ہیں جب کہ اس میں حدود سے تجاوز، اسلامی تعلیمات اور اسلاف کے طریقوں اور فرمودات سے سرمو انحراف نہ ہو، ایک دور وہ تھا جب کہ لڑکیوں کے لیے مدارس نہیں تھے، ان کے سرپرستان انہیں اتنی تعلیم دے دیا کرتے جن کے ذریعے دین کی بنیادی

معلومات انہیں فراہم ہو جایا کرتیں، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جب لڑکیوں کے مدارس کے قیام کی ضرورت سامنے آئی تو وقت کے جید علماء کرام ومفتیانِ عظام سے مشورے کئے گئے، چنانچہ ان حضرات نے بہت ڈرتے ڈرتے صرف اتنی اجازت دی کہ دارالاقامہ کے قیام میں تو فتنہ معلوم ہوتا ہے، البتہ ایسے مدارس ہوں جن میں لڑکیاں پڑھ کر روزانہ اپنے گھر آجایا کریں،

علمائے کرام کے اس نیک مشورے کے بعد اس طرح کے مدارس کا قیام عمل میں آیا لیکن کچھ ہی روز گذرے ہوں گے کہ لڑکوں کی اقامتی درسگاہوں کے طرز پر طالبات کی بھی اقامتی درس گاہوں کے قیام کا کچھ لوگوں کے اوپر بھوت سوار ہو گیا، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں طالبات کی متعدد اقامتی درس گاہیں وجود میں آگئیں، جہاں لڑکوں کے طرز پر چھوٹی اور زیادہ نوعمر لڑکیاں گھر سے کوسوں دور رہ کر ان مدارس کے ہاسٹلوں میں قیام کر کے علم دین حاصل کرنے میں مصروف ہیں، جو کہ اس دور پرفتن میں کسی بھی طرح مناسب نہیں،

بچند وجوہ علم دین کی حصولیابی کا یہ طریقہ محل نظر تو ہے ہی اس کا ایک نہایت افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس قسم کی درس گاہوں کے منتظمین میں بیشتر ایسے ہیں جو اکابر علماء دیوبند کے معتقد اور اپنے دینی مسائل کا حل سوائے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور وغیرہ کے اور کہیں سے نہیں تلاشتے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم ودیگر اس قسم کی عظیم درسگاہوں کے مفتیان عظام وعلماء کرام نے اس طرح کی درس گاہوں کے قیام کی سخت ممانعت فرمائی ہے، علاوہ ازیں خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نہایت سختی سے اس کو روکا ہے۔

ادھر تقریبا دو دہائیوں سے مشرقی یوپی کے مختلف ضلعوں میں بھی درس نظامی کی حصولیابی کے لیے لڑکیوں کے ایسے مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے جن میں طالبات پڑھ کر روزانہ گھر تو چلی آتی ہیں، لیکن دور حاضر کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ شکل بھی احقر کے نزدیک قابل اطمنان نہیں ہے، چنانچہ طالبات کے تعلق سے چند ناگفتہ بہ واقعات بھی گوش گذار ہوئے، جن کی وجہ سے ذہن میں آیا کہ کاش اس کے خلاف کوئی آواز اٹھائی جاتی، اتفاق سے حضرت مفتی نعیم الدین مظاہری کی ایک کتاب مروجہ مدارس نسواں نظر سے گذری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جس کا غائرانہ مطالعہ کیا کافی خوش ہوں اللہ تعالی موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے، آمین۔

لیکن جب آنجناب نے سہ ماہی ''دعوت حق'' کا تعلیم نسواں نمبر شائع کیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی آخر میں مزید دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کے اس کارنامے کو قبول فرمائے نیز اس کے خاطر خواہ نتائج بھی منظر عام پر آئیں آمین۔

''دعوت حق'' کا یہ شمارہ بلا شبہ اسم با مسمی ہے اس کے بھی سبھی مضامین اس قابل ہیں کہ اس طرح کہ مدارس کے منتظمین ان کا وسیع النظری سے مطالعہ کر کے اس باب میں اپنے نظریات پر نظر ثانی کریں، ورنہ موجودہ حالات کے پیش نظر وہ دن دور نہیں جب کہ اس طرح کے طرز تعلیم کو **اثمهما اكبر من نفعهما** کا مصداق قرار دیا جائے،

اللہ تعالی آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور آئندہ بھی اسی طرح اعلاء کلمۂ حق کی سعادت سے مالا مال فرمائے، آمین۔ والسلام

عبدالباطن نعمانی ۲۸/ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

گرامی قدر جناب مدیر اعلی صاحب ''دعوت حق'' سلام مسنون

دعوت حق کے پہلے شمارہ پر اس ناچیز نے اس رسالہ کی کامیاب اشاعت اور کامیاب ادارت پر مبارکباد کا ایک عریضہ ارسال کیا تھا،

اس کے بعد عزیز گرامی مولانا نبارسی صاحب کا ایک دستی خط اور رسالہ موصول ہوا۔

بہر حال ''دعوت حق'' بہت اچھا شائع ہو رہا ہے، اردو میں دینی رسالوں کی اشاعت اور وہ بھی عمدہ معیار اور عمدہ مضامین کے ساتھ ایک بہت بڑا کام ہے یہ ناچیز جناب بنارسی کو ذاتی تعلق کی وجہ سے اور جناب مدیر اعلی کو ''دعوت حق'' کے ایک لائق اور فاضل مدیر کی حیثیت سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں، اللہ تعالی اس محنت کو قبول فرمائے اور یہ ''دعوت حق'' اسی شان کے ساتھ شائع ہوتا رہے آمین

اخلاق احمد حسین قاسمی ۱۲/۱۱/۱۴۲۴ھ

باسمہ سبحانہ تعالی

مکرم ومحترم جناب مولانا احمد نصر صاحب.....زید فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، آپ کا مرسلہ رسالہ ''دعوت حق'' (شمارہ ۳-۴) دستیاب ہوا۔ ساتھ ہی آپ کا یہ حکم بھی کہ اپنے تأثرات سے جناب کو آگاہ کروں۔

اس رسالہ کا ذکر پہلے بھی سن چکا تھا، بلکہ سرسری طور پر پہلا رسالہ نظر سے بھی گذرا تھا۔ پہلے شمارہ کا جو موضوع تھا اس سلسلہ میں بندہ کی رائے آپ حضرات کی رائے سے الگ تھی، یہی وجہ ہے کہ بندہ کے پاس مولانا اختر امام عادل صاحب کا استفسارہ نامہ تبلیغی جماعت سے متعلق موصول ہوا تو بندہ نے اس کا جواب نہیں لکھا، کیونکہ سوالات کا رخ بتلا رہا تھا کہ سائل کے نزدیک ان کے جوابات بھی تقریبا متعین ہیں، جب کہ بندہ کا یہ خیال تھا کہ دینی خدمات کے تمام شعبہ جات میں انحطاط کی طرح جماعت کے کام میں بھی قابل اصلاح چیزیں موجود ہیں یعنی بندہ کے نزدیک اس کا وہ طریقہ کار درست نہیں تھا جو سوالات کے ضمن میں تجویز کیا گیا تھا اور نہ وہ لب ولہجہ مناسب تھا جو شمارہ ۱ میں اختیار کیا گیا۔

دوسرا شمارہ میری نظر سے نہیں گذرا، البتہ موجودہ شمارہ میں جو مضامین تعلیم نسواں سے متعلق شائع ہوئے ہیں بنیادی طور پر بندہ ان سے متفق ہے، یعنی ایک حد تک لڑکیوں کی دینی تعلیم ضروری ہے، لیکن اس پرفتن دور میں لڑکیوں کے لیے اقامتی درسگاہیں فتنوں اور خرابیوں کی آماجگاہ بن رہی ہیں، الا ماشاء اللہ مجموعی طور پر رسالہ کا معیار بہت اچھا ہے، مناسب یہ ہوگا کہ مضامین کا رخ ایجابی ہو منفی نہ ہو، انشاء اللہ اس سے زیادہ نفع ہوگا، مگر اداریہ کی ابتدائی سطروں میں جن احساسات کا اظہار کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں اس کی امید کم ہے دعوت صالحہ میں یاد رکھیں۔ والسلام

ابوالقاسم نعمانی

۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مندرجات

نمبر شمارہ		نگارشات	قلمکار	ص ن
۱	اداریہ	امکانات کی دنیا	نگران رسالہ	۳
۲	پیغامِ ربانی	بیعتِ رضوان	محمد خالد مجاہد جونپوری	۷
۳	اصولِ دعوت	داعی کے اوصاف حمیدہ	مولانا احمد نصر بنارسی	۱۴
۴	تاریخ	صوبۂ بہار کا قافلۂ دعوت وعزیمت	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۱
۵	تجزیہ	دینی مدارس کا دعوتی کردار	مولانا رضوان احمد قاسمی	۲۵
۶	اصلاحِ معاشرہ	مسلمان اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں	مولانا اسرار الحق قاسمی	۳۷
۷	تصوف	خدا سے پھر وہی قلب وجگر مانگ	مولانا محمد ارشد اعظمی	۴۱
۸	پریشان خیال	مثبت ومنفی کا معیار	شاہین صحرائی	۴۶
۹	شخصیات	مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۵۰
۱۰	ادبیات	دل کو میخانہ بنا	حضرت آہ مظفر پوریؒ	۵۷
۱۱	تحقیق	ظہور مہدی کے لیے وقت کی تعیین	مولانا عمر فاروق لوہاروی	۵۸
۱۲	سوال وجواب	دینی مسائل	دارالافتاء جامعہ ربانی	۷۲
۱۳	وفیات	رفتید ولے نہ از دل ما	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۷۳
۱۴	تنقید وتبصرہ	ادارہ اشاعت الاسلام برطانیہ کی مطبوعات	نگرانِ رسالہ	۸۳
۱۵	خبرنامہ		ادارہ	۸۷
۱۶	رپورٹ	امدادیہ دارالتبلیغ کا قیام	مولانا عبدالمنان صاحب	۸۸
۱۷	آپ کے خطوط		قارئینِ رسالہ	۹۰
۱۸	مراکز کے پتے		ادارہ	۹۶

ہمارا رسالہ درج ذیل مراکز پر دستیاب ہے!

مولانا احمد نصر بنارسی مدظلہ P.O. Box 2087 Varansi Cantt, (Banaras) 221002 Uttat Pardesh	ڈاکٹر اطہر اقبال صاحب I. S. T. C, Beena Para Azamgarh (U.P.)
مولانا حبیب الرحمٰن ثانی مدظلہ All India Majlis Ahrar HQ. Fieldganj, Jama Majid P.O. Ludhiana 8. Punjab	قاری ابراہیم صاحب ومولانا حکیم محمد یعقوب صاحب Madrasa Faiz-e- Aam Mahagaon Distt. Kaushambi. Old Allah Abad (U.P.)212213
مولانا فاروق مجاہد القاسمی مدظلہ 10 Sahara Nagar 2 Manjre Wadi. P.O. Sholapur 41003 Maharashtara State	مولانا مغیث الرحمٰن قاسمی C/o 7/352 Mohalla Mubarak Shah. Lal Das Road, Saharanpur (U.P.) 247001
مولانا ڈاکٹر حارث ندیم شاہ Madarsa Duaaia Kothe Wali Masjid Sadar Bazar Barahtoti Deldi Tel. 9810557677	مولانا رضوان احمد قاسمی Darul Uloom, HYD, Shivram Pally N.P.A Hydrabad (A.P.)
مولانا عارف باللہ قاسمی 150. Jama Masjid Narel Dangah Main Road Kolkata	مکتبہ نعیمیہ دیوبند یوپی Maktaba Naimia Deoband (U.P.) 247554

برطانیہ میں ملنے کا پتہ: سالانہ (۱۰) پونڈ

E. Y. BAWA,

IDARA ISHATUL ISALAM.

15 STRATION ROAD GLOUCESTER GLI. 4H.D ENGLAND

U.K. TEL/ FAX 0044-1452-306623

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قادیانیوں کا سالانہ جلسہ ناکام

ادارہ

قادیان : (نمائندہ احرار) گذشتہ دنوں ۲۹ ردسمبر کو ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے چھوٹے سے قصبہ قادیان میں ہوا، جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کے چیلوں کا جلسہ مجلس احرار کے بیدار رضا کاروں کی وجہ سے بالکل ناکام ہوگیا، گرچہ جھوٹے نبی کے پیروکاروں نے اخبارات، قادیانی ٹی وی چینلز کا استعمال کرتے ہوئے فرزندانِ اسلام کو ورغلانے کی خوب کوشش کی، لیکن اس مرتبہ ہی انہیں ہر جگہ ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔

(پندرہ روزہ الاحرار لدھانہ، شمارہ ۴۸ رتاریخ ۱۵ ر۲۰۰۴ء)

''امریکہ میں اشاعت اسلام''

واشنگٹن : واشنگٹن پوسٹ نے ۲۰۰۲ء میں سروے کرایا تو پتہ چلا کہ صرف ایک سال میں امریکہ میں قرآن مجید کے اتنے نسخے فروخت ہوئے جتنے گذشتہ ۵۰ رسالوں میں مجموعی طور پر نہیں ہوئے، ولڈ ٹریڈ سینٹر کی پہلی برسی تک امریکہ میں ۳۴ رہزار گورے مسلمان ہو چکے تھے، (الاحرار شمارہ ۴۸)

''جرمن میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ''

''ملین ڈالر ٹھکرا کر ایک دینار میں زمین فروخت کردی''

بیت المقدس : (نیٹ نیوز) ایک فلسطینی مسلمان نے بیت المقدس کے تحفظ کی خاطر اپنی زمین صرف ایک دینار میں فروخت کردی، جب کہ کچھ یہود نے اس فلسطینی مسلمان کو کئی ملین ڈالرز کے عوض اس کی یہ زمین خریدنے کی پیش کش کی تھی، لیکن فلسطینی مسلمان نے اپنی زمین ایک ایسی مسلم تنظیم کو صرف ایک دینار کے عوض فروخت کردی جو کہ بیت المقدس کے تحفظ کے لیے کام کرتی ہے، قابل ذکر ہے کہ یہ زمین حرم قدسی ''مسجد اقصیٰ'' کے بالکل متصل ہے، جس کی وجہ سے یہودی نے اسے خریدنے کے لیے زور لگا رکھا تھا۔

''ویتنام کے مسلمانوں کو اسلامی اداروں کی ضرورت''

ویتنام کے مسلمان ایسی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں ان کو اسلامی عقائد کی بنیادی معلومات تک بھی نہیں ہے، جس کے نتیجہ میں اسلامی تشخص برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے، اور وہاں کے معاشرہ میں خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہے، ان کے درمیان ایسے عقائد اور رسومات جاری ہیں جو کہ صحیح اسلامی عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتے، جس کی وجہ صرف علماء و دعاۃ کی کمی اور جہالت (دین اسلام) کا پورا بول بالا ہے۔

Wamy کی ایک رپورٹ کے مطابق وہاں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے باقاعدہ مدارس و اسکول کا نظم نہیں ہے بلکہ ان کے بچے شام کے وقت مساجد سے ملحق مکاتب کے اندر ہی قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کوئی مسجد بھی ایسی نہیں ہے، جس میں مکتب نہ ہو، ان مکتبوں کی تعداد تیس ہے۔

اس کے علاوہ وہاں صرف مسلمانوں کی ایک ہی اسلامی سوسائٹی ہے جو کہ ویتنامی حکومت میں مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے، یہ سوسائٹی ''ہوشی'' نامی شہر میں ہے، اس تنظیم کی سرگرمیاں اور کوششیں مسلمانوں کے نکاح، مساجد، و مدارس کی نگرانی مسلمانوں کے قبرستان کے انتظام و اہتمام اور فقراء و مساکین کی عالمی امداد وغیرہ پر مشتمل ہیں، رپورٹ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو مالی امداد، زکوٰۃ، صدقات اور دیگر عطیات کی سخت ضرورت ہے، اس لیے کہ ان کی مالی پوزیشن مضبوط نہیں ہے، اس کے علاوہ ان کو ویتنامی زبان میں اسلامی کتابوں اور قرآن کریم کے تراجم کی بھی ضرورت ہے، اور اس بات کی سخت ترین ضرورت ہے کہ وہاں دعاۃ و علماء مدارس و مکاتب کا قیام عمل میں لائیں تاکہ آئندہ نسلوں میں دین اسلام اور اسلامی تشخص باقی رہے۔

''روس کی ریاست میں ایک نئی مسجد کا افتتاح''

روس کی کی ریاست ''کاریلیا'' کے شہر ''کوندوبوجا'' میں ایک نئی مسجد کا افتتاح ہوا ہے، یہ افتتاح جمعہ کی نماز میں ہوا، کاریلیا اسٹیٹ میں اس سال یہ تیسری مسجد تھی جو کہ اس ریاست میں قائم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوئی ہے، یہ ریاست روس کے شمال میں فنلینڈ کی سرحد پر واقع ہے، اس میں مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار ہے، ۱۹۹۳ء کے بعد سے مسلمانوں نے دینی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا شروع کی اور کئی اسلامی سوسائٹی اور تنظیمیں قائم کی ہیں، ۲۰۰۰ء میں ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا، اس کا مقصد مسلمانوں کو متحد کرنا ہے، یہ ایک دینی تنظیم ہے اس کے جنرل سکریٹری مفتی شیخ وسام علی بردویل ہیں۔

اس سال مسلمان کاریلیا کی اسمبلی میں اپنا ایک پہلا مسلم نمائندہ بھی بحیثیت ممبر آف اسمبلی بھیجنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ اسلامی سوسائٹی کا مقصد بچوں کے دینی مدارس کا چلانا اور اسلامی کتابیں اوران کی طباعت کرانا اور کاریلیا زبان میں قرآن کریم کے تراجم کو باشندوں میں تقسیم کرنا وغیرہ ہے اور الحمدللہ دینی ودعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں دس کاریلیائی نژاد باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سہ ماہی دعوت حق
محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سہ ماہی دعوت حق
محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com